مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۵۰؍روپے۔ فی شمارہ ۱۵؍روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۰۰؍روپے

پاکستان میں سالانہ ۲۵۰؍روپے رجسٹرڈ ڈاک ۴۰۰؍روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ۵۰۰؍روپے رجسٹرڈ ڈاک ۷۰۰؍روپے

نوٹ: (اوپر کی رقوم ہندوستانی روپے میں دی گئی ہیں۔)

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

حافظ سجاد الٰہی ۲۷ اے، مال گودام روڈ، لوہا مارکیٹ، بادامی باغ، لاہور، پنجاب (پاکستان)

Mobile: 3004682752 ---- Phone: (009242) 7280916 5863609

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع اسی ماہ کی آخری تاریخ تک دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

عبد المنان ہلالی جوائنٹ سکریٹری نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۸۱ ماہ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ماہ مارچ ۲۰۰۸ء عدد ۳

فہرست مضامین

ای میل : email : shibli_academy@rediffmail.com

ویب سائٹ : www.shibliacademy.org

شذرات

آہ! مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ

دار المصنفین کے ناظم اور معارف کے مدیر جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی ۲؍فروری ۰۸ء کی صبح کو اپنے خالق حقیقی کے حضور پہنچ کر اس کی رحمت سے جاملے لیکن اپنے پیچھے دار المصنفین کے ہر فرد بلکہ درودیوار کو روتا، بلکتا چھوڑ گئے، شبلی و سلیمان کا یہ گلشن ویرانی کی تصویر بن گیا، اس جہان علم و دانش کی روح بھی جیسے ان کی موت کے ساتھ رخصت ہوگئی اور سچ یہ ہے کہ علامہ شبلیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ اور سید صباح الدین عبدالرحمانؒ کی قابل فخر روایات کی مسند اور بزم جس شمع سے روشن تھی، ایک حادثہ نے اس کو گل کردیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا اصلاحی ۳؍جنوری کو سفر حج سے واپس آئے تھے اور بالکل چاق چوبند اور صحت مند تھے، یکم فروری کو وہ اپنی اہلیہ کے ہم راہ ایک عزیز سے ملنے کے لیے سرائے میر کے قریب موضع کھریواں کے لیے قریب ساڑھے نو بجے صبح روانہ ہوئے، جمعہ کا دن تھا، خطبہ اور نماز پڑھانے کے لیے مجھے تاکید فرمائی، عین نماز جمعہ سے پہلے یہ خبر ملی کہ ان کی جیپ حادثہ کا شکار ہوگئی ہے اور وہ صدر اسپتال میں زخمی حالت میں لائے گئے ہیں، نماز کے فوراً بعد ان کے تمام متعلقین اسپتال پہنچے، وہ سراپا زخمی تھے، ان کی اہلیہ بھی زخمی تھیں لیکن ہوش میں تھیں، مشورے کے بعد وہ ایک مقامی سرجن ڈاکٹر فرقان کے ہسپتال میں لائے گئے، خون بہت زیادہ نکل چکا تھا، خون دیا گیا اور پھر مناسب سمجھا گیا کہ ان کو فوراً بنارس کے بی ایچ یو ہسپتال میں منتقل کیا جائے، وہاں کچھ ضروری ٹسٹ ہوئے، دوائیں بھی دی گئیں لیکن افاقے کے آثار نہیں تھے، صبح کا انتظار تھا، صبح قریب بھی ہوئی لیکن بیم و آس کے سورج کے طلوع سے پہلے ہی علم و فضل کا یہ ماہتاب روپوش ہوگیا، اس دن بھی طلوع شمس معمول کے مطابق ہوا لیکن ضیائے شمس سے محرومی کا احساس اس دن سے زیادہ شاید اور کبھی نہ ہوا، دن تمام سرکاری و قانونی کارروائی کی نذر ہوا، مغرب کے بعد ان کی نعش دار المصنفین لائی گئی اور اگلے روز ساڑھے دس بجے شبلی ڈگری کالج کے

وسیع میدان میں ہزاروں انسانوں نے مولانا سید محمد رابع ندوی ناظم دار العلوم ندوۃ العلما کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد دار المصنفین کے احاطے میں علامہ شبلی کے پہلو میں سپرد خاک کردیا، ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا، قریب دو گھنٹے تک منہا خلقنا کم کے بادیدۂ نم اقرار کے ساتھ خاک پوشی کا عمل جاری رہا اور اس اثنا میں دار المصنفین کی مسجد میں مولانا سید محمد رابع ندوی کے کلمات تعزیت بے قرار اور مغموم دلوں کے لیے شبنم افشانی کرتے رہے۔

مولانا کا وطن اعظم گڈھ شہر سے قریب ایک گاؤں سہریا ہے، ۱۹۳۷ء میں وہ اپنے نانہالی گاؤں جے راج پور میں پیدا ہوئے، ان کے والد شیخ عبدالرحمان ایک چھوٹے زمیں دار اور صاحب علم شخص تھے، اردو اور فارسی ادب کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، دس سال کی عمر میں مولانا مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے، اس وقت مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا صدر الدین اصلاحی، مولانا اختر احسن اصلاحی اور مولانا جلیل احسن اصلاحی جیسے علما کی موجودگی نے مدرسۃ الاصلاح کو خاص مرجعیت بخشی تھی، ان ارباب کمال سے تلمذ و استفادے کے بعد قریب بیس سال کی عمر میں وہ دار المصنفین سے وابستہ ہوئے، اس عمر میں دار المصنفین کی علمی رفاقت آسان نہیں تھی لیکن مولانا نے روز اول سے ظاہر کردیا کہ وہ اس عظیم علمی ادارے کے لیے عطیۂ الٰہی ہیں، وہ اس دور میں رفیق ہوئے جب دار المصنفین کو قحط الرجال کا شکوہ نہیں تھا، اس کے سپہر علم و ادب پر مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی جیسے آفتاب و ماہتاب تو روشن نہیں تھے لیکن ان حضرات سے براہ راست مستنیر شخصیتوں کی شکل میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، سید صباح الدین عبدالرحمان اور مولانا مجیب اللہ ندوی دبستان شبلی کے نظام شمسی کے بجائے خود روشن سیارے ہوچکے تھے، ان کی موجودگی میں مولانا مرحوم کی ابتدائی تحریروں سے ان کے قلم کی اٹھان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ان کا سب سے پہلا مضمون فروری ۱۹۵۵ء کے معارف میں چھپا "امام اعظم کی فقہ" (ترک حدیث کے جواب میں) کے عنوان سے، اس اولین مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں دار المصنفین آنے سے پہلے ہی وہ معارف کے ذریعہ متعارف ہوچکے تھے، ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء میں بھی ان کے چند مضامین چھپے اور یہ سب قرآنی موضوعات پر تھے، مارچ ۱۹۵۸ء سے مطبوعات جدیدہ کے تحت کتابوں پر ان کی تبصرہ نگاری کا آغاز ہوا۔

۱۹۵۷ء سے ۲۰۰۸ء تک قریب نصف صدی کے دارالمصنفین اور معارف کی داستان میں وہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہے اور غالباً سید صباح الدین عبدالرحمان مرحوم کے بعد اس ادارے کے لیے سب سے زیادہ ماہ و سال وقف کرنے میں ان ہی کا نام ہے، مضامین کا آغاز قرآنیات اور فقہ کے موضوعات سے ہوا لیکن ان کی پہلی تصنیف "ہندوستان عربوں کی نظر میں" ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس کتاب کی پہلی جلد ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی اور دو سال کے بعد دوسری جلد بھی آگئی، جاحظ سے قلقشندی تک قریب اکیس عرب سیاحوں، جغرافیہ دانوں اور عالموں کی کتابوں میں ہندوستان کے متعلق جس قدر متنوع اور مفید معلومات تھے، مولانا اصلاحی مرحوم نے تالیف و ترجمہ کے ذریعہ اس کتاب میں جمع کردیا، یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور حکومت ہند اور اس وقت کے وزیر ہمایوں کبیر نے اس کی قدر افزائی کی لیکن مولانا کا اصل کام "تذکرۃ المحدثین" کی تالیف و تصنیف ہے، صاحب تصنیف محدثین کے حالات کی تالیف، دارالمصنفین کے ذمہ داروں کے پیش نظر تھی، حضرت سید صاحب نے اس کی ابتدا کی تھی، ان کی خواہش تھی کہ اس سلسلے کو مکمل کیا جائے اور بالآخر اس کی تکمیل کا شرف مولانا اصلاحی مرحوم کو حاصل ہوا، انہوں نے تین ضخیم جلدوں میں اس عظیم تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر محققانہ اور مہتم بالشان کام انجام دیا، اردو میں بعض محدثین کرام کے حالات ضرور لکھے گئے تھے لیکن بعض حلقے جس طرح حدیث کے پورے ذخیرے کو مشکوک اور ناقابل اعتبار قرار دینے کی مہم میں مصروف تھے، اس کے پیش نظر ان جلدوں میں صرف تذکرہ ہی نہیں، تدوین حدیث کی تاریخ اور کتب حدیث پر نقد و تبصرہ نے اس کو اپنے موضوع پر بہترین مرجع و ماخذ بنادیا، مولانا کے قلم سے ایک اور اہم کتاب "مولانا ابوالکلام آزاد- مذہبی افکار، صحافت اور قومی جدوجہد" کے نام سے نکلی، مولانا آزاد سے ان کو غیر معمولی عقیدت تھی اور یہ اس وقت سے تھی جب وہ مکتب میں زیر تعلیم تھے، مولانا آزاد سے عقیدت و شیفتگی کا معاملہ خود مرحوم کی زبان میں "کچھ اور ہی تھا" ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے۔ چہ کنم نگاہ کج بیں نہ کند بہ کس نگاہے یہ کتاب اسی عقیدت کا نتیجہ ہے لیکن اس کی تالیف میں یہ جذبہ بھی پنہاں تھا کہ مولانا آزاد کا جو تعلق علامہ شبلی، سید صاحب، مولانا عبدالسلام ندوی اور دارالمصنفین سے رہا، اس کا تقاضا تھا کہ اس تعلق کا حق یہاں ادا کیا جائے، شاہ صاحب نے معارف کا ایک خاص نمبر نکالنے کا قصد بھی کیا

تھا جو کسی وجہ سے پورا نہ ہو سکا، مولانا اصلاحی مرحوم نے اس کتاب کے ذریعہ اس قرض کو ادا کرکے اپنے پیش رو اکابر کی روح کو شادماں کرنے کی سعی کی، مولانا کی تالیفات میں "چند ارباب کمال"، "انتخاب کلام اقبال سہیل" اور "مسلمانوں کی تعلیم" بھی ہیں، آخر الذکر کتاب تو گذشتہ سال ہی شائع ہوئی تھی، ان کی ایک کتاب "ایضاح القرآن" پاکستان سے شائع ہوئی تھی، یہ ان کے قرآنی مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے، ان کا خاص موضوع تاریخ حدیث و محدثین رہا لیکن اصل ذوق قرآنیات ہی کا تھا، مدرسۃ الاصلاح اور مولانا حمید الدین فراہیؒ کے علوم سے تعلق اور اثر پذیری نے اس ذوق کو مستحکم کیا تھا، دارالمصنفین میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے بعد قرآنیات سے شغف میں غالباً وہ اور حضرات سے نمایاں ہیں، انہوں نے تفسیر کبیر اور امام رازی کے متعلق خاص طور سے بڑی مبسوط اور مدلل بحث کی، ان کا خیال تھا کہ قدیم مفسرین کی خدمات کی عظمت کے باوجود ان کی تفسیروں پر کلی اعتماد اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں شاذ، غریب اور مرجوح اقوال اور بہ کثرت ضعیف و موضوع روایات بھی نقد و تبصرے کے بغیر ہی شامل کرلی گئی ہیں۔

مولانا کی ان تصنیفات کے علاوہ ان کی علمی خدمات کا اصل میدان رسالہ "معارف" رہا، ۱۹۵۵ء سے اس کے صفحات ان کی تحریروں سے مزین ہونا شروع ہوئے اور یہ نصف صدی پر محیط ہوگئے، مطبوعات جدیدہ کے ذریعہ انہوں نے بے شمار کتابوں پر تبصرہ کیا، ان کے تعزیتی مضامین بھی آتے رہے اور جب ۱۹۸۷ء میں سید صباح الدین عبدالرحمان مرحوم ایک حادثے میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تو معارف کی ادارت ان کے سپرد ہوئی اور یہ ان کی کتاب زندگی کا سب سے درخشاں باب ہے کہ انہوں نے معارف کی ادارت اور شذرات لکھنے کی ذمہ داری غیر معمولی حسن و خوبی سے پوری کی اور معارف کے وقار و معیار کو قائم رکھا بلکہ اس میں اضافہ کیا، ملی اور ملکی اور علمی موضوعات پر ان کے شذرات نے سید صاحب، شاہ صاحب اور سید صباح الدین عبدالرحمان کی روایت کو زندگی ہی نہیں دی، اس کو نئی جلا بھی بخشی، اس کے لیے جس تصنیفی ذوق، مطالعہ کے شغف اور جگر کاوی کی ضرورت تھی، مولانا نے اس کا حق ادا کردیا اور کہیں بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ معیار و وقار میں کچھ فرق آیا ہے۔

معارف کی ادارت کے ساتھ انہوں نے دارالمصنفین کے عہدۂ نظامت کا بار بھی

سنبھالا ، وہ ۱۹۸۷ء سے تادم آخر اس عہدے پر فائز رہے ، ان کو انتظامی معاملات سے زیادہ مس نہ تھا ، اس ادارے کا نظم ونسق ، مالی معاملات ، حال و مستقبل کے اندیشے اور اداروں سے قطعی مختلف ہیں لیکن مولانا نے ان مراحل کو سکون اور تحمل سے پار کیا ، مالی دشواریوں کا ذکر بھی کبھی وہ شذرات کے ذریعہ کرتے لیکن انہوں نے کبھی ادارے کی خودداری اور عزت نفس کا سودا نہیں کیا ، پرانی کتابوں کی طباعت و اشاعت ، تصحیح ، حوالوں کی تحقیق مزید میں انہوں نے جس طرح اپنے آرام کو تج دیا ، صحت کی پرواہ نہیں کی ، اس کا بیان الفاظ میں ناممکن ہی ہے۔

کیا حوصلہ اور کیا ولولہ تھا کہ شبلی وسلیمان کی نسبت سے سمینار ہوں ، علوم اسلامیہ پر لکچر ہوں ، کتابوں پر مقدمے لکھنے ہوں ، تقریظیں ہوں ، تمام مصروفیات کے باوجود ان کا وقت سب کے لیے تھا ، ان کی شرکت سے علمی مجلسوں کی رونق بڑھ جاتی اور سمیناروں میں جان پڑ جاتی ، پی ایچ ڈی کے بیسیوں مقالات میں ان کی معاونت کا اعتراف ان کے مقالہ نگاروں نے کیا اور یہ ساری تگ ودو محض اپنے عظیم المرتبت پیش رو بزرگوں کی روایت کے قیام اور دار المصنفین کے علمی استحکام کے لیے تھی ، ان کے زیر نگرانی رابطہ ادب اسلامی کا اور علامہ شبلی سمینار دار المصنفین میں شان سے منعقد ہوا ، توسیعی خطبات کا سلسلہ بھی انہوں نے جاری رکھا ، پروفیسر عبد المغنی ، پروفیسر ریاض الرحمان خاں شروانی وغیرہ کے خطبات ان کے دور میں ہوئے اور فروری میں اسی سلسلے میں انہوں نے پروفیسر عبد الحق سے فرمائش کی تھی ، دار المصنفین میں تعمیرات کا اضافہ بھی ان کے دور میں ہوا ، ان کاموں کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ حالات نامساعد اور دشوار تھے ، ایسے میں نشاط اور تازگی کی گنجائش کم تھی ، تاہم ربط وارتباط ، خط وکتابت اور گفت وشنید میں انہوں نے کبھی تھکن یا مایوسی کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

ان کی قوت عمل کا ایک مظہر مدرسۃ الاصلاح سے گہرا تعلق بھی ہے ، ۱۹۹۶ء میں اس مدرسہ کے ناظم ہوئے ، اس کی تعلیم وتنظیم سے ان کو بڑی دلچسپی تھی ، باقاعدگی سے وہاں کی میٹنگوں میں شریک ہوتے ، ان کی نظامت کے عمدہ نتائج بھی سامنے آئے ، اس کے علاوہ دار العلوم ندوۃ العلما ، دار العلوم تاج المساجد بھوپال اور جامعۃ الفلاح کی مجالس انتظامیہ کے وہ رکن رکین اور مسلم یونی ورسٹی کی کورٹ کے ممبر تھے ، پابندی سے ان کے انتظامی جلسوں میں شریک ہوتے ،

یوپی اردو اکادمی ، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلامی لکھنؤ کے بھی رکن منتخب ہوئے ، آکاش وانی گورکھ پور کی ایڈوائزری کمیٹی کے ممبر ہوئے ، ان کے علم ، عمل اور اخلاص کی قدر کی گئی ، اردو اکادمی ، میر اکادمی نے ان کو انعامات سے نوازا اور ۱۹۹۵ء میں صدر جمہوریہ ہند نے ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں سند اعزاز سے سرفراز کیا۔

اعزازات اور بلند عہدوں کے باوجود فروتنی ، انکسار اور تواضع کی مثال تھے ، ان کی شخصیت سادگی اور بے ساختگی ، دل نوازی اور ملن ساری کے عناصر سے مرکب تھی ، اپنوں اور بیگانوں سے وضع داری تھی ، بیس سال ناظم رہنے کے باوجود دار المصنفین کے کسی کارکن اور ملازم کو ان کی زبان سے کسی سخت کلام یا انداز کی شکایت نہیں ہوئی ، معمولی ملازم سے بھی بہت نرمی سے بات کرتے ، صبر وتحمل کی خوبی بھی ان کی بڑی صفت تھی ، ان خوبیوں نے ان کی شخصیت کو ایک عجب کشش اور محبوبیت عطا کر دی تھی ، ذاتی زندگی میں انہوں نے کئی بڑے صدموں کو جس صبر و رضا سے برداشت کیا وہ ان کے راضی بہ رضا ہونے کی شہادت ہے ، صوم وصلاۃ کے پابند تھے ، خاص طور پر تلاوت قرآن پاک میں ہم نے ان کو سب سے زیادہ مشغول پایا ، سفر حج کی سعادت پہلے ہی حاصل ہو چکی تھی لیکن اس سال انہوں نے اپنی استطاعت سے اہلیہ محترمہ کے ساتھ حج کیا ، تین جنوری کو وہ اس مبارک سفر سے واپس تشریف لائے اور ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ یکم فروری کو جس کے گھر کی مہمانی سے سرفراز ہوئے تھے اسی کے حضور اس طرح حاضر ہوئے کہ سرخ رو ہی نہیں سارا جسم شہید راہ وفا کی طرح لہو رنگ تھا ، زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ

بڑی آرزو تھی گلی کی تری   سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

زخموں سے چور تھے ، سر ، سینہ خوں فشاں تھا ، ایسے عالم میں بھی ان کے ہونٹوں سے جو لفظ نکلا وہ ان کے خالق حقیقی کا اسم اعظم تھا "اللہ - اللہ" ہی لب پر تھا ، یہ اپنے مالک حقیقی سے قربت واستجابت کا اقرار تھا ، الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح ، حسن خاتمہ ہر مسلمان کی تمنا ہے ، جس اللہ نے ان کے لیے دنیا میں اعزاز مقدر فرمائے اسی نے شہادت کا سب سے بڑا اعزاز بھی ان کو عطا فرمایا ، وہ شہادت کے درجہ بلند پر فائز ہوئے ، جس کا صلہ ہی تب وتاب جاودانہ ہے۔

ان کے پس ماندگان میں ان کے برادر اکبر مولانا قمر الدین اصلاحی اور چھوٹے بھائی جناب امام الدین و جناب نجم الدین ہیں، تین بیٹیاں اور تین بیٹے محمد عامر، محمد طارق اور سلیم جاوید ہیں اور سب ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں، اہلیہ اب روبہ صحت ہیں، کامل شفا اور صحت اور صبر جمیل کے لیے قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے اور دارالمصنفین کے بے لوث خدمت گزار کو اپنی رحمتوں کے سایے میں لے کر عفو و مغفرت کی تمام نوازشوں سے نوازے، ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے، کاروان شبلی کے اس مسافر کو سکون و راحت کی منزل سے ہم کنار کرے، اللھم اغفر لہ وارحمہ۔

مولانا مرحوم کے حادثے اور رحلت کے بعد سے ہی پرسش احوال اور تعزیت کا سلسلہ جاری ہوگیا، جناب مولانا سید محمد رابع ندوی نے اپنے تمام ضروری اسفار اور پروگرام کو منسوخ کر کے بار بار فون سے خیریت معلوم کی اور رحلت کی خبر سنتے ہی مولانا واضح رشید ندوی اور دیگر رفقا کے ساتھ تشریف لائے، العین یو اے ای، سے مولانا مرحوم کے رفیق قدیم جناب مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی ذرا ذرا سے وقفے سے مسلسل فون کرتے رہے، ابوظبی میں ڈاکٹر نعیم صدیقی ندوی بے قرار تھے، مرزا امتیاز بیگ رکن مجلس انتظامیہ اس وقت راجستھان میں تھے، وہ فون پر رو رو کر مولانا کا حال دریافت کرتے رہے، ایک اور رکن پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی علی گڑھ سے فوراً روانہ ہوگئے، انگلینڈ سے جناب امجد جاوید، امریکا سے جناب عبدالوہاب خاں سلیم اور افضال عثمانی، جدہ سے مولانا اجمل ایوب اصلاحی، بمبئی سے افتخار امام صدیقی، پروفیسر خورشید نعمانی، جناب ایوب واقف، مولانا عارف عمری، مولانا شعیب کوٹی، بھٹکل سے مولانا الیاس ندوی، بھوپال سے پیر سعید میاں مجددی اور ڈاکٹر حسان خاں، علی گڑھ سے ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر جمشید ندوی اور دہلی سے مولوی عبدالمبین ندوی وغیرہ کے فون فوراً آئے، تعزیتی پیغامات اب بھی موصول ہو رہے ہیں، سب کو فرداً فرداً جواب دینا فی الحال مشکل ہے، ادارہ ان سب کی ہمدردیوں کا شکر گزار ہے، کچھ خطوط اسی شمارے میں شامل ہیں، آیندہ بھی ان شاء اللہ یہ شائع کیے جائیں گے، تعزیتی تجاویز کے ذیل میں جن اداروں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں دارالعلوم تاج المساجد بھوپال اور جامعہ اسلامیہ مظفر پور کا نام رہ گیا ہے، کنور (کیرالہ) کے رابطہ ادب اسلامی کے سمینار نے بھی تعزیتی قرارداد منظور کی۔

مقالات

"حجۃ اللہ البالغہ" کی دو قسموں میں تقسیم

از:- ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی ☆

متون کی تدوین ایک خاص تحقیقی ترتیب کی متقاضی ہوتی ہے مگر بالعموم ہوتا یہ ہے کہ کسی ایک مخطوطہ کو جیسے تیسے نقل کر لیا جاتا ہے، چند اختلافات نسخ کا حاشیہ میں ذکر کر دیا جاتا ہے، بسا اوقات مخطوطہ، اس کے مقام و حالت وغیرہ کا بھی ذکر نہیں کیا جاتا، مختلف خطی نسخوں سے تقابل، ان کی بنا پر متن کی تصحیح، آیات و احادیث وغیرہ کی تخریج اور متعدد دوسرے ضروری امور چھوڑ دیے جاتے ہیں کہ ان میں پتہ مارنے کا کام ہوتا ہے اور محنت شاقہ کرنی پڑتی ہے، بہت زیادہ کاوش کی تو مولف کتاب کے حالات و علمی کارناموں کا ایک اختصار کسی کتاب سے نقل کر دیا، گذشتہ اور موجودہ صدی کے اوائل میں یہ عام وطیرہ رہا ہے، اب جدید تحقیقات کے رواج سے متنی تحقیق کا معیار کافی بہتر ہوا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۴/شوال ۱۱۱۴ھ/۲۱/فروری ۱۷۰۳ء - ۲۹/محرم ۱۱۷۶ھ/۲۰/اگست ۱۷۶۲ء) کی شاہ کار تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کی متنی تحقیق ابھی تک اہل علم پر قرض ہے، اس کے جتنے اڈیشن اور طباعتیں اب تک منظر عام پر آئی ہیں، وہ متن کی صحیح تدوین تو درکنار، اس کے اجزاء اور ابواب کی صحیح تقسیم تک پر مبنی نہیں ہیں، اس مختصر مقالہ میں انہیں طباعتوں کا ایک تجزیہ برائے عبرت پیش کیا جارہا ہے۔

اقسام و ابواب کی تقسیم: اپنے مقدمہ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے وضاحت کی ہے کہ ان کی کتاب حجۃ اللہ دو قسموں میں منقسم ہے، پھر ہر قسم کے ابواب کی تعداد گنائی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ،

☆ ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ دہلویؒ ریسرچ سیل، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

مکتبہ رشیدیہ، 1953، ۱/ ......)، قسم اول میں ستر ابواب بتائے ہیں اور قسم دوم میں ابواب کی تعداد نہیں ذکر کی ہے۔ (حجۃ اردو ترجمہ ابو محمد عبدالحق حقانی، اصح المطابع، کراچی غیر مورخہ، ۱/ ۳۲، ۳۴، ۳۸۵)۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کی مطبوعہ اشاعتوں میں کتاب کے دونوں حصوں رقسموں کی تقسیم صحیح نہیں کی گئی ہے، یہ بات خالص متن پر مبنی اشاعتوں پر بھی صادق آتی ہے اور ان کے اردو ترجموں پر بھی، سوائے ایک آدھ ترجمہ کے، اس وقت ہمارے پاس متون پر مبنی دو اشاعتیں موجود ہیں، ایک مکتبہ سلفیہ کی جو کتب خانہ رشیدیہ کی اشاعت پر مبنی ہے، کہنے کو یہ دو اشاعتیں ہیں لیکن اصلاً ان دونوں کو ایک سمجھنا چاہیے، کیوں کہ وہ دونوں ہی کسی ایک مخطوطہ یا طباعت پر مبنی ہیں، مکتبہ رشیدیہ دہلی کی اشاعت ۱۹۵۳ء کی ہے اور مکتبہ سلفیہ لاہور کی اس کے بعد کی ہے اور بلا تاریخ ہے، دوسرا متن السید السابق کا مرتبہ ہے جو دارالکتب الحدیثیہ، قاہرہ (مصر) کا مطبوعہ ہے اور غیر مورخہ ہے، مکتبہ رشیدیہ دہلی اور مکتبہ سلفیہ لاہور دونوں کی اشاعت ایک جلد میں ہے، اگرچہ قسم اول اور قسم ثانی دونوں کو الگ الگ سرورق سے ممتاز کیا گیا ہے اور دونوں قسموں کے صفحات بھی الگ الگ اپنی ترتیب سے ہیں، دونوں کی قسم اول پر مبنی حصہ ۱۹۵ صفحات پر محیط ہے اور قسم ثانی پر مبنی حصہ ۲۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

مصری طباعت میں قسم اول اور قسم ثانی کو دو الگ الگ جلدوں میں پیش کیا گیا ہے، اگرچہ ان کے صفحات مسلسل ہیں اور کل تعداد ان کی ۸۸۶ ہے، جلد اول میں ایک تا ۴۱۶ صفحات ہیں اور قسم دوم یا جلد دوم ۴۱۷ سے شروع ہو کر ۸۸۶ پر ختم ہوتی ہے۔

کتاب کے اردو تراجم میں سے اس وقت تین ہمیں دست یاب ہیں: ایک مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی کا ہے جو نور محمد، کارخانہ تجارت، اصح المطابع، کراچی کا مطبوعہ ہے اور بلا تاریخ ہے، اس اشاعت میں اردو ترجمہ داہنی طرف ہے اور اس کے بالمقابل حجۃ کا متن ہے، کتاب دو جلدوں میں منقسم ہے، جلد اول جو قسم اول پر مبنی بتائی جاتی ہے ۴۸۸ صفحات رکھتی ہے اور قسم ثانی پر مبنی جلد دوم کے صفحات متن و ترجمہ ۵۹۱ ہیں، دوسرا اردو ترجمہ محمد اسماعیل گودھروی کا ہے اور "برہان الٰہی" کے نام سے ہے۔

کتاب حجۃ کی دونوں قسمیں ایک ہی جلد میں باندھی گئی ہیں، قسم اول کے ۵۲۸ صفحات ہیں اور قسم دوم ۵۷۵ یعنی کل ۱۱۰۳ صفحات ہیں، تیسرا اردو ترجمہ مولوی خلیل احمد کا ہے جو کتب خانہ اسلامی پنجاب، لاہور ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء کا مطبوعہ ہے، دونوں قسمیں حجۃ کی ایک ہی جلد ہیں اور ان کے صفحات مسلسل ہیں: قسم اول کے ۲۴۷ صفحات ہیں اور قسم دوم ۲۴۸ تا ۶۲۰ پر محیط ہے۔

کتب خانہ رشیدیہ اور مکتبہ سلفیہ کی متون کی اشاعتوں میں قسم ثانی کی بحث اول "القبلہ" ہے، جب کہ السید السابق کے مصری اڈیشن میں قسم دوم کی بحث اول "السترۃ" ہے جو اصل متن میں قبلہ کے بعد کی بحث ہے، مولانا حقانی اور مولانا گودھروی دونوں کے ترجموں میں دوسری قسم حجۃ کا پہلا باب قبلہ ہی ہے، (۲/ ۵۹۱ اور ۵۷۵ بالترتیب)، مولانا خلیل احمد کے اردو ترجمہ پر بحث بعد میں آتی ہے۔

تحقیق کے ایک طالب علم کے لیے یہ بات بڑی حیرت ناک ہے کہ ایک ہی متن کی دوسری قسم ایک اشاعت میں بحث "قبلہ" سے شروع ہوتی ہے اور دوسری اشاعت میں اس کے بعد والی بحث "سترہ" سے اس کی ایک توجیہ کی جا سکتی ہے کہ ان دونوں متون یا اشاعتوں کا انحصار دو الگ الگ مخطوطوں پر ہوگا یا ماقبل کی دو مختلف اشاعتوں میں جن پر یہ دونوں اشاعتیں مبنی ہیں: ایک مخطوطہ رطباعت میں بحث قسم دوم کی قبلہ سے شروع ہوتی ہوگی اور دوسری میں سترہ سے، اردو تراجم میں قسم دوم کی بحث آغاز کا فرق نہیں ہے۔

اس سے زیادہ حیرت ناک امر یہ ہے کہ عربی متون ہوں یا ان کے اردو تراجم، کتاب حجۃ کے دوسرے حصہ یا قسم ثانی سے قبل ان اشاعتوں میں نہ تو القسم الثانی کے شروع ہونے کی تصریح ملتی ہے اور نہ کوئی تمہیدی حصہ جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ اس مقام سے جلد اول رقسم اول ختم ہوئی اور اس جگہ سے قسم دوم شروع ہوئی، طالب تحقیق پریشان ہوتا ہے کہ قسم دوم کا آغاز اچانک قبلہ یا سترہ سے ہوتا ہے جو کسی مرکزی بحث کا ایک جزو تو ہو سکتا ہے مگر مرکزی ربنیادی بحث کا نقطۂ آغاز نہیں۔

تینوں عربی متون پر مبنی اشاعتوں میں کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول کے خاتمہ پر ایک تتمہ ہے، اس سے قبل آخری بحث کے متن کے خاتمہ پر اولین مرتب متن نے حاشیہ میں ایک تبصرہ

لکھا ہے جو بہ جائے خود دل چسپ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولف کتاب شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کتاب کے مقدمہ میں یہ صراحت کی تھی کہ قسم اول ستر ابواب میں منقسم ہے مگر یہاں آخری بحث تک اکیاسی ابواب ہوگئے ہیں اور پھر تتمہ کے چار باب الگ ہیں یا تو مولف کتاب سے تسامح ہوا اور انہوں نے اکیاسی ابواب کو ستر سمجھا یا کتاب/مخطوطہ کے کاتبوں نے بعض ذیلی فصول کو باب کا حصہ بنا کر ان کی تعداد بڑھادی، مگر کتاب حجۃ کی دو قسموں میں تقسیم میں نہ تو مولف گرامی سے غلطی ہوئی ہے اور نہ ہی کاتبوں سے، یہ عظیم کارنامہ متون کے مرتبین و مترجمین کتاب کا ہی ہے۔

کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی دو قسموں۔قسم اول، قسم ثانی۔ میں تقسیم کی بابت متون کے مرتبین کرام اور ان کے مترجمین عظام کی یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی، سوائے اس کے کہ اسے کورانہ تقلید یا مکھی پر مکھی مارنے سے تعبیر کیا جائے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قسم اول کے خاتمہ پر ایک طویل تتمہ دیا ہے جو چار ابواب اور ایک فصل پر مشتمل ہے، اس کے بعد بہت واضح طور سے قسم اول کے ختم ہونے اور قسم ثانی کے شروع ہونے کا ذکر کیا ہے: ”ولکن ھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی القسم الاول من کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" فی علم اسرار الحدیث ...... والحمد للہ اولاً و آخراً وظاھراً و باطناً و یتلوہ ان شاء اللہ تعالیٰ "القسم الثانی فی بیان معانی ماجاء عن النبی ﷺ تفصیلاً“۔ (مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۱/۱۶۲؛ مکتبہ رشیدیہ، ۱/۱۶۲)

اس واضح اور قطعی بیان کے بعد شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قسم ثانی اور اس کے عنوان کی سرخی لگائی ہے اور بحث شروع کی ہے، عبرت ناک بات یہ ہے کہ مرتبین اور مترجمین دونوں ہی اپنی اپنی کتابوں میں اس قسم ثانی اور اس کے عنوان و سرخی کو اسی وضاحت و صفائی سے لکھتے ہیں اور پھر بھی قسم ثانی کو تقریباً چالیس پچاس/سو صفحات بعد شروع کرتے ہیں، قسم ثانی کے متعدد مباحث کو جلد اول/قسم اول کا حصہ بنانے کی منطق قطعی سمجھ میں نہیں آتی۔

مکتبہ رشیدیہ اور مکتبہ سلفیہ کے شائع کردہ ایڈیشنوں میں الجزء الاول اور الجزء الثانی کے سرورق پر ایک دل چسپ ”ملحوظہ“ بھی ہے، اس کے مطابق پہلی بار مولانا محمد احسن صدیقی

(م ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء) نے محمد جمال الدین دہلویؒ بھوپالی (م ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱-۱۸۸۲ء) کے ”علم وتفقہ“ پر پہلی بار اس کتاب جلیل کے اصول کی مراجعت و تصحیح کی اور اس پر تعلیقات کا اضافہ کیا اور اس کو اپنے مطبع صدیقی بریلی (الہند) میں پہلی بار ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں چھاپا، دوسری بار ریاست بھوپال کے خرچ پر جس کے رئیس و نگراں اس زمانے میں نواب محمد صدیق حسن خاں سلفی (م ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) تھے، مطبعہ بولاق مصر سے ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء میں چھاپی گئی، اس کے بعد متعدد اشاعتیں منظر عام پر آئیں۔ (مکتبہ سلفیہ، سرورق، ۱) اور ان تمام متاخر اشاعتوں میں غالباً اولین اشاعت کی تقسیم کتاب آنکھ بند کرکے قبول کرلی گئی اور جلد دوم/قسم ثانی کو کافی تاخیر سے شروع کرنے کی روایت ڈالی گئی، سید سابق کے مرتبہ اڈیشن میں تو قبلہ کی فصل بھی جزء اول میں پہنچادی گئی اور اس کے بعد کی فصل السترہ سے جلد ثانی/قسم ثانی کا آغاز ہوا۔

ایک دلیل یہ دی جاسکتی ہے کہ ان مرتبین و مترجمین گرامی نے حجم و ضخامت کے مدنظر دونوں جلدوں کے صفحات کی تعداد برابر رکھی اور اس مقصد سے قسم ثانی کے کچھ ابواب و فصول جلد اول میں شامل کردیے تاکہ دونوں پلڑے برابر ہوجائیں، مگر یہ دلیل برائے دلیل ہی کہی جاسکتی ہے، کیوں کہ مختلف اشاعتوں میں دونوں جلدوں کے صفحات کی تعداد میں خاصا فرق ہے، اگرچہ بعض میں زیادہ قابل لحاظ نہیں، مثلاً کتب خانہ رشیدیہ اور مکتبہ سلفیہ دونوں کی اشاعتوں میں جزء اول کے صفحات ۱۹۵ ہیں اور جزء دوم کے ۲۱۵، جب کہ سید سابق کے مصری ایڈیشن میں ان کی تعداد بالترتیب ۴۱۶ اور ۴۶۹ ہے، اردو تراجم میں حقانی طباعت میں جلد اول ۴۸۸ صفحات پر مشتمل ہے تو جلد دوم ۵۹۱ صفحات پر، گودھری ترجمہ میں قسم اول کے کل صفحات ہیں ۵۲۸ اور قسم دوم کے ۵۷۵، اس ترتیب و تقسیم کی ذمہ داری ناشرین پر نہیں ڈالی جاسکتی کہ وہ بالعموم مولفین و مرتبین کی تقسیم ابواب و جلد میں دخل نہیں دیتے۔

پھر اس کو کیا کہا جائے کہ جلد اول اور جلد دوم کے سرورق پر کم از کم بعض طباعتوں میں یہ وضاحت عالمانہ بھی موجود ہے کہ جلد اول مشتمل بر قسم اول اور جلد دوم مشتمل بر قسم ثانی ہے، مثلاً حقانی کی طباعت میں یہ صراحت موجود ہے، ”حجۃ اللہ البالغہ“ ترجمہ جلد اول حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۶ کے بعد:۔

کتب خانہ رشیدیہ اور مکتبہ سلفیہ کی طباعتوں میں بالخصوص اور دوسری اشاعتوں میں بالعموم دونوں قسموں کو ایک ہی جلد میں شامل کیا گیا ہے، پھر بھی جلد رقسم اول اور جلد رقسم ثانی کی تقسیم کی گئی ہے، وہاں صفحات کو برابر کرنے اور حجم وضخامت میں توازن پیدا کرنے کا ایسا نازک معاملہ بھی نہیں تھا جس کے لیے ایسی بندر بانٹ کی جاتی۔

اس غیر متوازن تقسیم کتاب کے بالمقابل مولانا خلیل احمد کے ترجمہ پر مشتمل طباعت حجۃ کی منصفانہ اور عالمانہ تقسیم کا اعتراف بھی کرنا ضروری ہے، انہوں نے مولف گرامی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تقسیم کتاب کے عین مطابق اپنی طباعت کو قسم اول اور قسم دوم میں صحیح طور سے تقسیم کیا ہے، اگرچہ ان کی طباعت بھی ایک ہی مجلد میں ملتی ہے، ان کا جزء اول شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قسم اول پر مشتمل ہے اور ۲۴۷ صفحات رکھتا ہے اور جلد دوم رقسم دوم ۲۴۸ صفحات سے ۶۲۰ صفحات تک مسلسل ہے، مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ العالی کی عظیم وکبیر شرح ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' بھی اسی صحیح تقسیم کی دولت رکھتی ہے، قسم ثانی کتاب حجۃ کی شرح کی تیسری جلد سے شروع ہوتی ہے۔ (مکتبہ حجاز دیوبند، ۲۰۰۲ء، فہرست، ۲۷ ومابعد صفحات)

حجۃ اللہ البالغہ جیسی جلیل وکبیر تصنیف جو ملت اسلامیہ ہندیہ کی نمائندہ وراثت کہی جاسکتی ہے کے باب میں جب اس قسم کا علمی تساہل سامنے آتا ہے تو اپنی تحقیقی، اشاعتی، نااہلی پر افسوس ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ان کے مرتبین یا مترجمین علم وفضل یا فہم وعقل سے تہی تھے، وہ درحقیقت صاحبان علم وکمال تھے لیکن تساہل، کورانہ تقلید یا بے خیالی نے ان سے ایسا کام کرایا جو طالبان حجۃ اللہ البالغہ کی گم راہی کا سبب بن گیا۔

یہ مضمون بہت پہلے لکھا گیا تھا، اس وقت تک مولانا سعید احمد پالن پوریؒ کی مرتب کردہ حجۃ اللہ البالغہ کا متن نہیں آیا تھا، جب چھپا تو ایک مدت تک دست یاب نہ ہوسکا، توقع تھی کہ حضرت مولانا پالن پوریؒ کم از کم اپنی کتاب حجۃ میں دونوں قسموں کو دو جلدوں میں الگ الگ منقسم فرمادیں گے لیکن یہ توقع بھی شکستہ ہوئی، پالن پوری طباعت دست یاب ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نے قسم دوم کے آغاز کے لیے ایک اور باب نو کا انتخاب فرمایا ہے، اس کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول اس تتمہ پر ختم ہوتی ہے جو ان کے رسالہ فقہ ''غایۃ الانصاف'' کا بنیادی متن ہے اور قسم دوم کے بارے میں حضرت شاہؒ نے بہ نفس نفیس صراحت کی ہے کہ اس کا پہلا مبحث ''من ابواب الایمان'' ہے جس میں متعدد مباحث ہیں (۲ر ۱۶۲-۱۶۹)، اس کے بعد کا مبحث ''من ابواب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' ہے اور وہ بھی متعدد بحثوں پر مشتمل ہے اگرچہ وہ سب مختصر ہیں (۲ر۱۶۹-۱۷۳)، قسم ثانی کا تیسرا مبحث ''من ابواب الطہارۃ'' کے جامع عنوان سے طہارت کے متعدد مسائل وامور جیسے وضو، مسح، غسل، تیمم، آداب خلاء، خصال فطرت، پانی کے احکام، نجاسات سے تطہیر اور ان کے ذیلی فصول کو حاوی ہے اور اس کے بعد ''من ابواب الصلاۃ'' کے جامع عنوان سے نماز کے مباحث ہیں۔ (۲ر ۱۷۳-۱۸۶)

حضرت مولانا پالن پوریؒ نے اپنی جلد دوم کا آغاز ''من ابواب الصلاۃ'' سے فرمایا ہے اور مذکورہ بالا تین اہم ترین ابواب قسم اول جلد اول میں شامل فرمادیے ہیں، اس کی منطق اور وجہ سمجھ میں نہیں آسکی کہ جلد دوم کو حضرت شاہؒ کی قسم ثانی سے شروع کرنے میں کیا قباحت تھی؟ کتاب حجۃ کی قسم اول بہ قول شاہ صاحبؒ اصولی مباحث پر مبنی ہے اور قسم دوم تفصیلی مباحث پر، ان تفصیلی مباحث کے اولین تین ابواب کا تالیفی ربط اور موضوعاتی ارتباط بہر حال قسم ثانی سے ہے، اگر پالن پوری طباعت کی جلد دوم حضرت شاہ صاحبؒ کی قسم ثانی سے شروع ہوتی تو کسی قسم کی قباحت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ مجھے معلوم ہے کہ توجیہات وتاویلات ہر معاملہ میں پیش کی جاسکتی ہیں اور اس معاملہ خاص میں بھی پیش کی جائیں گی، بالخصوص اکابر پرست افراد وطبقات بڑے جوش وولولے سے خاکسار راقم پر نکیر فرمائیں گے مگر کیا وہ اپنی اس حرکت تاویل وتوجیہ میں انصاف کے قریب بھی ہوں گے؟ تصنیفی کائنات کے بھی کچھ اصول وقواعد ہیں اور ہمارے علمائے سلف اور محققین اہل علم نے ان کی ہمیشہ رعایت کی ہے، موضوع، مضمون اور مبحث کے تقاضوں سے جلدوں رقسموں کی تقسیم کی جاتی ہے، محض خواہش وپسند پر نہیں، دوسرے متون حجۃ اللہ البالغہ کی مانند اس جدید ترین طباعت میں بھی وہی تقسیم کی بے ربطی ملتی ہے، جو ان کے خلاف حجۃ بن جاتی ہے، جو موضوع ومضمون اور تحقیق وتصنیف کے تقاضوں کا لحاظ نہیں کرتے۔

مطالعۂ شبلی - چند معروضات

از:- پروفیسر افغان اللہ خان☆

زوال پذیر قومیں اپنے ماضی سے سبق لینے کے بجائے اپنے اسلاف کے کارناموں کو قصے کہانیوں کی طرح پڑھتی ہیں اور خوش ہوتی ہیں کہ ان کے اسلاف نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیے ہیں لیکن زندہ قومیں ماضی کے حوالے سے حال کو بہتر بنانے کی سعی کرتی رہتی ہیں اور ماضی نے جو اثاثہ ورثے کے طور پر انہیں سونپا ہے نہ صرف ان کی حفاظت کرتی ہیں بلکہ ان میں اضافہ بھی کرتی رہتی ہیں اور یہ اضافے علم و عمل کے بغیر ممکن نہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی تعلیمات سے دنیا میں ایسے ایسے انقلابات رونما ہوئے جنھوں نے ایک قلیل عرصے میں مشرق و مغرب سے جہالت کی تاریکی کو دور کردیا اور ایسے ایسے افراد پیدا کیے جو مختلف علوم و فنون کے امام تسلیم کیے گئے، اسلامی دنیا میں علم و دانش کے جو مراکز قائم ہوئے وہاں سے ایسی زندگی رونما ہوئی جس نے انسانی ارتقا کو ایک نئی سمت بخشی، جس سے نہ صرف مغربی ممالک سے جہالت کی تاریکی دور ہوئی بلکہ یورپ میں ایک نئی تہذیب نے بھی جنم لیا۔

ایک ایسے وقت میں جب کہ اسلامی حکومتوں کا سیاسی طور پر زوال ہوچکا تھا، ہر ہر میدان میں مسلمانوں کی ہزیمت اور خواری کا سامنا کررہے تھے، علمائے ہند کا بالعموم اور علمائے اعظم گڈھ کا بالخصوص سامنے آنا اور اپنے علمی و ادبی اور تحقیقی کاموں سے ایک عالم کو روشناس کرانا اور قوم و ملت پر طاری اضمحلال کو دور کرنے کی کوشش کرنا، لائق ستائش قرار پاتا ہے اور اسی پس منظر میں علامہ شبلیؒ کے کارہائے نمایاں کو دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے۔

علامہ شبلی نعمانی بلاشک وشبہ ہندوستان کے اور اسلامی دنیا کے نابغۂ روزگاروں میں سے

☆صدر شعبۂ اردو، گورکھپور یونیورسٹی۔

ایک ہیں، ان کے علمی، ادبی، تاریخی اور تحقیقی کاموں اور فتوحات کا حقیقت تو یہ ہے کہ کما حقہ جائزہ لیا ہی نہیں گیا، کجا یہ کہ ان کے کاموں کو ان کے قائم کردہ معیار اور ان کے پیش نظر مقاصد کو آگے بڑھایا جاتا، اردو کے اکثر و بیشتر ناقدین و مورخین نے ان کے کاموں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور انہیں آنکھوں سے لگا کر چھوڑ دیا، میری بات کا اگر یقین نہیں تو آپ ہی بتائیں کہ "سیرت پاک" پر کون سی کتاب لکھی گئی جو علامہ کی تالیف سے مواد، زبان و بیان کے اعتبار سے آگے ہے، جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ "شعرالعجم" کا فارسی میں ترجمہ ہوچکا ہے اور اہل ایران علامہ کی اس کتاب کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، عجمی شعرا یا فارسی شعرا پر علامہ کی کتاب استناد کا درجہ رکھتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے برابر کیا اس سے کم تر درجہ کی کتاب بھی اردو میں موجود نہیں، رضا زادہ شفق کی "تاریخ ادبیات ایران" بھی "شعرالعجم" کے برابر صوری و معنوی اعتبار سے نہیں نہیں ٹھہرتی، یہی حال "موازنہ انیس و دبیر" کا بھی ہے، موازنہ کے جواب میں "ردالموازنہ، المیزان" اور دیگر بہت سی کتابیں لکھی گئیں، بڑے ہی تحقیقی و تنقیدی ہفت خواں طے کیے گئے، دور کی کوڑی لانے کی کوشش کی گئی، دبیر کے عمدہ کلام کے نمونے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے لیکن حقیقت پسندانہ اور غیر جانب دارانہ نقطۂ نظر سے دیکھیں تو کیا کوئی کتاب "موازنہ" کے مقابلے میں ٹھہرتی اور مقبولیت کا درجہ حاصل کرتی نظر آتی ہے، اردو والوں کا حافظہ تو یوں بھی کم زور ہے کجا یہ کہ موازنہ کے جواب میں لکھی گئی کتابیں، اب سوائے محققین مرثیہ اور انیس و دبیر کے بہت کم لوگ مذکورہ کتابوں سے واقف ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ موازنہ میں علامہ شبلی نے جس غیر جانب داری، تحقیق و تفحص اور تنقید و تجزیہ سے کام لیا ہے اور جس طرح انیس و دبیر کے کلام کا جائزہ لیا ہے، وہ آج عنقا ہے۔

اس کے علاوہ مرثیہ کے باب میں علامہ شبلی کا جو نقطۂ نظر اور تجزیہ کا انداز ہے وہ خالص علمی، اجتہادی اور حقیقت پسندانہ ہے، انہوں نے انیس و دبیر کی شاعری کے جو خصائص و نقائص گنوائے ہیں وہ آج بھی آسانی سے رد نہیں کیے جاسکتے اور نہ ہی انیس و دبیر کے مطالعہ میں انہیں نظر انداز کیا جاسکتا ہے، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ علامہ شبلی کی کتاب "موازنہ" کسی مخاصمت، طرف داری اور عصبیت کی دین نہیں تھی، انہوں نے اپنے قائم کردہ معیار اور مشرقی

اصول نقد کے مطابق نہایت معروضی انداز میں ایک مطالعہ پیش کیا تھا، جب کہ اسی کے جواب میں لکھی گئی بیشتر کتابیں طرف داری اور عصبیت کی ہی پیداوار ہیں۔

ہمارے یہاں ایک فارسی مثل مشہور ہے ''قدر مردُم بعد مردَن''، لیکن علامہ شبلی کے معاملے میں تو ایسا بھی نہیں ہوا، ہاں لوگوں نے چند مضامین اور خاص نمبر نکال کر اپنا بوجھ ضرور ہلکا کیا ہے۔

علامہ شبلی نے مختلف میدان میں جس طرح تحقیقی وتنقیدی نوعیت کا کام کیا اور اپنی ذہانت اور وسعت مطالعہ سے جو معیار اور مقام عطا کیا، جس طرح کی بیدار مغزی اور وسعت نظری کا ثبوت فراہم کیا، آج وہ ہندوستان میں عنقا نہیں تو کم یاب ضرور ہے، مثلاً عربی وفارسی شاعری اور زبان پر علامہ شبلی کے تحقیقی وتنقیدی مضامین آج بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں، کیوں کہ انھوں نے جن نکات کی نشان دہی کی ہے اور جو خصائص بیان کیے ہیں اور جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ آسانی سے نظر انداز نہیں کیے جاسکتے، خصوصاً عربی زبان کی قدامت کو ثابت کرنے کے سلسلے سے انھوں نے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ ان کی تحقیقی وتنقیدی بصیرت اور وسعت مطالعہ کا پتہ دیتی ہیں، فن بلاغت وفصاحت سے متعلق ان کے مضامین اور دیگر کتابوں میں ان پر مبسوط نظر اور بحث نہ صرف اردو میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں بلکہ آج بھی اس سے اچھا مطالعہ کوئی پیش نہیں کرسکا، البتہ عابد علی عابد نے البدیع البیان کا شرح وبسط سے مطالعہ پیش کیا ہے۔

اردو والوں نے علامہ شبلی کے کاموں کو جہاں اور جس مقام پر چھوڑا تھا، اسے آگے بڑھانے، اس میں وسعت پیدا کرنے اور نئے نئے ابعاد (Dimension) سے روشناس کرانے کے بہ جائے ان کی ذات، ذاتی زندگی، نظریات اور مفروضہ انانیت سے زیادہ دلچسپی دکھائی اور اس میں بڑی خیال آرائیاں اور افترا پردازیاں کی ہیں، خواہ ان کے سرسید سے تعلقات ہوں اور ان سے الگ ہوکر مختلف اداروں کا قیام ہو، خواہ وہ ندوہ ہو یا دارالمصنفین، ہر ایک کے گرد ایک کہانی اور دل چسپ داستان گڑھنے کی کوشش کی گئی، ان کی انانیت، خود پسندی بلکہ خودنمائی کو ان اداروں کے قیام کا محرک قرار دیا گیا، جب کہ سرسید اور حالی سے علامہ شبلی کے تعلقات نہ تو کبھی خراب رہے اور نہ ہی وہ بدنیتی پر مبنی تھے بلکہ بعض معاملات میں ان اصحاب سے اختلاف

کی نوعیت نظری اور فکری تھی اور اس میں بھی مثبت رویہ ہی پوشیدہ تھا اور جس کی طرف علامہ شبلی کے ایک بڑے مداح مہدی افادی نے اپنے مضمون میں اشارہ بھی کیا ہے، ویسے بھی ہم اردو والے خالص علمی اور تحقیقی مسائل ومباحث، نکات ونظریات سے بحث کرنے کے بہ جائے کہ اس میں محنت کرنی اور آنکھیں پھوڑنی پڑتی ہیں، اِدھر اُدھر کی ہانکنے اور مفروضہ باتوں کو مستند بنا کر پیش کرنے میں ماہر ہیں بلکہ کذب وافترا پردازی کے استاد ہیں، اس لیے کہ اس سے ذہنی تعیش کا جز وقتی سامان فراہم ہوتا اور پھر ایسے کاموں میں نہ تو دماغ پر زور دینا پڑتا ہے اور نہ ہی نیند خراب کرنی پڑتی، نہ ہی آرام کو تج دینا اور پہروں خون جلانا پڑتا ہے۔

سرسید مرحوم سے علامہ کے خواہ تعلقات ہوں یا عطیہ فیضی سے مراسم، ان کی نوعیت میں لوگوں نے اکثر وبیشتر من گھڑت باتوں کو زیب داستان کے لیے استعمال کیا، اس میدان میں مولوی عبدالحق سرفہرست ہیں بلکہ افترا پردازی کی باضابطہ، برملا اور بعض اوقات درپردہ کوشش کا آغاز ان ہی سے ہوتا ہے، مولوی عبدالحق کی علمی خیانت اور اخلاقی پستی کا احوال اگر آپ کو معلوم کرنا ہو تو اختر حسین رائے پوری کی خودنوشت ''گردراہ'' کا مطالعہ کیجیے، جس میں مولوی صاحب کی شخصیت کے اور ہی رنگ کھلتے ہیں، مولوی صاحب کی دشنام طرازیوں کو شیخ محمد اکرام اور ڈاکٹر وحید قریشی نے استناد کا درجہ عطا کیا اور ایک عالم (Alam) کو گم راہ کرنے اور ایک عالم (Alim) کی کردارکشی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ہم اردو والے بھی کان کے کچے اور عقل کے کورے واقع ہوئے ہیں، ننانوے 99 خوبیوں پر پانی پھیر کر ایک آدھ خرابی کو لے اڑتے ہیں اور پھر وہ طومار باندھتے ہیں کہ اللہ دے اور بندہ لے، بدقسمتی سے علامہ شبلی نعمانی کے تعلق سے بھی یہی ہوا، علامہ کے علمی اور تحقیقی وتنقیدی کاموں کا اعتراف کرنے، ان کی قدر وقیمت کو نمایاں کرنے اور لوگوں کو اس سے روشناس کرانے کے بہ جائے ان کی ذاتی زندگی میں ان کی تلاش وتحقیق میں جٹ گئے اور ایک عالم کی دنیائے ذات کو زیروزبر کر ڈالا، اگر حضرت شیخ محمد اکرام اور ڈاکٹر وحید قریشی صاحبان ان کے علمی، ادبی اور تحقیقی کاموں پر زیادہ وقت صرف کرتے اور اسے ہی آگے بڑھاتے تو اردو کا بھی بھلا ہوتا اور مسلمانوں کی جہالت کافور اور دیگر اقوام ومذاہب کے پرستاروں کی نظر کے جالے اور ذہن کی پراگندگی دور ہوتی، اس طرح علامہ شبلی کے کام، نقطۂ نظر،

طریقۂ کار اور مدافعانہ رویہ کو بڑھاوا ملتا اور اسے نئی زندگی، نئی جہت اور سرفرازی عطا ہوتی، وہ تو بھلا ہوا عزیز احمد کا کہ انہوں نے ''ہندو پاک میں اسلامی جدیدیت'' میں باضابطہ ایک باب علامہ شبلی کے کارناموں اور فکری فتوحات اور نظری ابعاد کے لیے وقف کیا اور بڑے معروضی انداز میں اس کا جائزہ پیش کیا، علامہ شبلی کی کشادہ قلبی اور وسعت نظری کے اعتراف میں انہوں نے لکھا کہ: ''وہ جدید مسلم ہندوستان کے مورخین میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے مغربی علم وفضل کو خراج تحسین پیش کیا کہ جس نے اسلام کی ثقافتی اور مذہبی سرچشموں کے متعلق تحقیق و تجسس اور اسے تلاش، جمع و مرتب کیا، مخطوطات کی تدوین کی اور مطالعہ اسلام کے لیے ایک تاریخی اور سائنٹفک پس منظر قائم کرنے کی کوشش کی''۔ (ص ۱۲۲)

ایک ایسے عہد میں جب کہ اسلام کے بنیادی عقائد اور مسلمانوں کی املاک، معیشت اور حکومت پر شدید حملے ہو رہے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ کے جہاد علمی و قلمی کو ان ہی کی طرح پوری توانائی، تعقل اور استدلال کے ساتھ کام میں لایا جائے اور قومی و بین الاقوامی سطح پر اسے عام کیا جائے اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ہماری نئی نسل نہ صرف اغیار کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جائے گی اور اپنے اسلاف کے کارناموں سے عدم واقفیت کے سبب ان کے مکر و فریب میں گرفتار ہو جائے گی، جس دن ایسا ہوا اور وہ دن دور نہیں تو پھر اسلام اور مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔

اسلام میں خواتین کی اہمیت اور ان کے حقوق کا تحفظ

از:- پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر☆

عورت دنیا کی نصف سے زیادہ آبادی پر مشتمل ہے، اسلام نے عورتوں کو گوناگوں حقوق دیے ہیں، ماں کی حیثیت سے ان کے قدموں تلے جنت قرار دی ہے، بیوی کو سکون کا باعث قرار دیا ہے، اولاد ہو تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، علم و عمل کے معاملے میں بھی محض عورت ہونے کی بنا پر ان کا درجہ و مرتبہ مردوں سے کم تر نہیں ہوتا، احادیث کی روایت میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کا شمار مکثرین صحابہ میں ہوتا ہے، صحابہ کرام بہت سے مسائل ان سے دریافت کرتے تھے بلکہ بعض مسائل میں حضرت عائشہؓ نے صحابہ پر استدراک بھی کیا ہے، امام زرکشی نے اس پر ''الاصابہ فیما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا جو چھپ گیا ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنی تصنیف سیرت عائشہؓ کے آخر میں بھی یہ رسالہ شامل کر کے شائع کیا ہے۔

اہل مغرب اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے عورتوں کے حقوق کو سلب کر کے ان پر بڑی زیادتی کی ہے، حالاں کہ عورت کے حقوق، آزادی اور مساوات کا راگ الاپنے والوں کے ہاں عورت کا وہ تصور نہیں ہے جو اسلام میں ہے، بائبل میں ہے کہ ''حوا نے فریب کھایا اور آدم کو پھسلایا'' (۱)، ان کے ہاں عورت کا درجہ بس یہ ہے کہ وہ حضرت مریم کی طرح راہبہ بن جائے ورنہ وہ گناہ کا سبب و موجب ہے، عیسائیوں کے ہاں ایک مدت تک یہ بحث ہوتی رہی کہ عورت کے اندر روح ہے یا نہیں، بالآخر فیصلہ ہوا کہ اس کے اندر روح تو ہے مگر بڑی گھٹیا قسم کی، اب بھی مغربی معاشرے میں عورت کو بازار کی جنس سمجھا جاتا ہے اور اسلام کی طرح خاوند اور بیوی

☆ ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور۔

کے رشتہ کو محبت والفت کا ذریعہ نہیں خیال کیا جاتا، اسی لیے مغربی معاشرے کی عورتیں مسلمان عورتوں پر رشک کرتی ہیں، میرے قیام برطانیہ کے دوران ایک عیسائی طالب علم اکثر میرے پاس آتا جاتا تھا، اس کی بہن لندن سے گلاسگو اس سے ملنے آئی تو اس نے بتایا کہ دونوں نے ہوٹل میں کھانا کھایا اور الگ الگ ادائیگی کی، میں نے اس پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ چار پانچ سو میل دور سے آپ کی بہن آپ سے ملنے آئی اور آپ اسے کھانا تک نہ کھلا سکے لیکن یہ ان کے نزدیک کوئی تعجب خیز بات نہیں۔

قبل از اسلام عربوں میں عورتوں کی حالت بہت بدتر تھی، لڑکی کی پیدائش موجب ذلت سمجھی جاتی تھی اور اسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (۲)

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ (۳)

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے گا، سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے۔

اسلام نے عورت کو اس قعر مذلت سے نکال کر اوج ثریا تک پہنچایا، اسلام نے عورت کو جو حقوق بخشے ہیں وہ ان سے چھینے نہیں جاسکتے، اس لیے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ عورت کا یہ حق چھین لے، یہاں ہم اس کی کسی قدر تفصیل بیان کرتے ہیں:

حیاوشرم مسلمان عورت کی زینت ہے جو اس کو سلب کرکے اس کے جمال وزینت کو ختم کرنا چاہے تو یہ ظلم ہوگا، اولاد (بیٹے، بیٹی) کی پیدائش عورت کے حقوق میں ہے جو اس کو روکنے کی

کوشش کرے وہ ظالم ہے، عصمت وعفت بھی اس کا حق ہے جس کو کوئی مرد سلب نہیں کرسکتا، بہ حیثیت ماں بیٹے پر، بہ حیثیت بہن بھائی پر، بہ حیثیت بیٹی باپ پر اور بہ حیثیت بیوی خاوند پر خرچ کرنا عورت کا حق ہے، یہ ان کو ادا کرنا ہوگا، حیثیت کے مطابق زیب وزینت کا سامان لے کر دینا اس کے خاوند پر عورت کا حق ہے، پھر اس سامان کو خاوند کے لیے پہننا عورت کا حق ہے، عورت کی دینی اور دنیاوی تعلیم اس کا حق ہے، تاکہ وہ دنیا وآخرت میں فلاح ونجات حاصل کرسکے۔

عورت کا علاج ومعالجہ کے لیے اپنے خاوند یا محرم کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا اس کا حق ہے، اس سے روکنا ظلم وزیادتی ہے، اگر عورت بیوہ ہو اور اس کے پاس یتیموں کی کفالت اور ذاتی اخراجات کے لیے مال نہ ہو تو حصول معاش کے لیے کام کرنا اس کا حق ہے، اسلام کی رو سے اس کو روکا نہیں جاسکتا، ہاں اگر اس حق کو حکومت ادا کرے تو یہ زیادہ مناسب ہے، اسی طرح اپنے خاوند کی اجازت سے اپنے عزیز واقارب سے ملنا اور نماز کے لیے مسجد جانا عورت کا حق ہے۔

اگر مسلمان عورت کو اس کا خاوند تنگ کرے تو اس کو حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے، اس کا یہ بھی حق ہے کہ اس کے اولیا (والدین، بھائی) اس کے نکاح کے لیے اس کی رضامندی لیں، عورت کا صالح اعمال اور برے اعمال کو چھوڑ کر اپنے رب کا قرب حاصل کرنا اس کے حقوق میں سے ہے جو اس سے روکے وہ ظالم ہے، اگر عورت مال کی مالک ہو تو اس میں فضول خرچی اور معصیت کے بغیر خرچ کرنا اس کا حق ہے۔

دراصل اسلام نے عورت کو اس قدر حقوق دیے ہیں جن کا تصور بھی دوسرے مذاہب میں نہیں کیا جاسکتا، اس کے بعد بھی جو لوگ اسے عورتوں کے حقوق کا غاصب قرار دیتے ہیں تو یہ ان کی شرارت اور دانستہ سازش ہے۔

قرآن مجید میں بہ طور مثال نیک عورتوں کی تعریف یوں کی گئی ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنْ

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے، جب اس نے کہا اے میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت میں گھر بنادے اور مجھے فرعون

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۔ (۴)	اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دے (اللہ تعالیٰ نے) اور مریم بنت عمران (کی مثال بیان کی) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونکا اس نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں سے تھے۔

عورت پیدائشی گنہگار نہیں بلکہ وہ بھی مردوں کی طرح عمل صالح میں حصہ دار ہوسکتی ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (۵)	جو کوئی مرد ہو یا عورت نیک کام کریں گے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

اور فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۶)	جو کوئی مرد یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مومن ہو تو ہم ان کو پاکیزہ زندگی دیں گے اور ہم ان کے اعمال کا بھی اچھا بدلہ دیں گے۔

اس طرح پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اسی درّے ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۷)	جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درّے لگاؤ اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو یہی لوگ فاسق ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ہیں۔

لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۸)	مردوں کو ان پر برتری حاصل ہے۔

اب ذرا دیکھیے کہ خود اسلام تہمت عائد کرنے والے مغربی ممالک کا کیا حال ہے، ان ممالک میں تو عورتوں کی ذات ہی کو ختم کردیا گیا، اسے بازار کی جنس سمجھ کر پیش کیا جاتا اور ہر بزم محفل میں اسے کھڑا کردیا جاتا ہے، آزادی کے نام پر اس کی عصمت دری کی جاتی ہے، اگر وہ خود عصمت فروشی کرے تو جرم ہے لیکن اگر عورت دوستی Boy Friend کے بھیس میں اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کو وہ Love محبت کہتے ہیں اور اس سے روکنا اس کی آزادی پر قدغن ہے، عام طور پر اس بات کی اجازت ہے کہ اپنی مرضی سے کوئی بالغ لڑکی جس کے پاس چاہے جاسکتی ہے، جس کے ساتھ چاہے رہ سکتی ہے، مغربی ممالک میں نسل انسانی کی عفت وعصمت اور نسل کی پاکیزگی کا کوئی تصور ہی نہیں، نہ شرم وحیا کا نام ہے، خاوند اور بیوی میں باہمی اعتماد مفقود ہے بلکہ دونوں کے بینک اکاؤنٹ الگ الگ ہوتے ہیں، آزادی کی بے راہ روی کی وجہ سے ہر چوتھی شادی طلاق کی زد میں آجاتی ہے بلکہ شادی کی بہ جائے Girl Friend پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ بے حیائی پورے مغربی معاشرے میں معیوب نہیں، اولاد ۱۶ سال کے بعد بھاگ جاتی ہے اور والدین سے کبھی ملنے نہیں آتی، عورتیں مردوں سے زیادہ پریشان ہیں انہیں قابل بھروسہ مرد ہی نہیں ملتے جو اس صنف نازک کو زندگی بھر سہارا دے سکیں بلکہ اس لحاظ سے بعض مغربی خواتین مسلمان عورتوں کی زندگی پر رشک کرتی ہیں، طلاق کے واقعات عام ہیں لیکن اپنی اس خفت کو مٹانے کے لیے وہ لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ ”مسلمان عورتوں کے حقوق سلب کرتے ہیں، ان پر ظلم کرتے ہیں“، لیکن خود اہل یورپ عورت ومرد میں جس طرح کی مساوات اور ان کا باہمی اختلاط دیکھنا چاہتے ہیں وہ دراصل عورت کی آزادی اور مساوات نہیں بلکہ اس کی عصمت و

عفت، شرف انسانی اور عزت نفس کے خلاف اور غیرت کا خاتمہ ہے، اس کو کوئی مسلمان کیسے پسند کرسکتا ہے۔

اسلام میں اس کی اجازت تو ہے کہ آدمی جس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے اسے دیکھ لے لیکن اس کے ساتھ تنہائی میں کچھ مدت گزارنے اور عورت کو عریاں اور نیم عریاں حالت میں گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں دیتا، اب آیئے دیکھیں کہ اسلام نے عورتوں کو کن باتوں کی اجازت دی ہے:

کتابت کا جواز: اسلام نے عورتوں کے لیے تحریر و کتابت کو ممنوع نہیں قرار دیا ہے، بعض لوگوں نے اس کے خلاف حدیث پیش کی ہے:

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: لا تسكنوهن الغرف ولا تعلموهن الكتابة وعلموهن المغزل وسورة النور (۹)

عورتوں کو بلند عمارتوں میں نہ رکھو، نہ ان کو کتابت سکھاؤ اور ان کو سوئی کا استعمال (دھاگہ) سکھاؤ اور سورۃ النور سکھاؤ۔

مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس کا ایک راوی محمد بن ابراہیم الشامی منکر الحدیث ہے، اس پر مولانا شمس الحق ڈیانوی نے مفصل بحث کی ہے۔ (۱۰)

اس کے برعکس جن احادیث میں کتابت کی اجازت دی گئی ہے وہ صحیح ہیں، حضرت شفاء بنت عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ میرے پاس آئے، میں حضرت حفصہؓ کے پاس تھی تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

الا تعلمهن هذه رقية النملة كما علمتها الكتابة (۱۱)

آپ ان کو چیونٹی کا دم نہیں سکھاتیں جیسے آپ نے ان کو کتابت سکھائی۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (۱۲)

اسی طرح عورتوں کی شادی کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا: بیوہ کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح بھی اس کے اذن (اجازت) سے کیا جائے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اذن کیا ہے؟ فرمایا: اس کا خاموش رہنا ہی اذن ہے۔ (۱۳)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا ایک نوجوان لڑکی رسول اللہ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح میری اجازت کے بغیر کردیا، آنحضرتؐ نے اس کو اس کے متعلق اختیار دے دیا، لڑکی نے باپ کے اقدام کو باقی رکھا مگر یہ کہا کہ اس طرح میں عورتوں کو بتانا چاہتی تھی کہ باپ جو حرکت کرتے ہیں، انہیں اس کا کوئی حق نہیں۔ (۱۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے آنحضرتؐ نے فرمایا:

حبب الي من الدنيا ثلاث النساء والطيب و جعل قرة عيني في الصلوة (۱۵)

دنیا کی چیزوں میں سے مجھے تین زیادہ محبوب ہیں مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے اور میرے آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

خيركم خيركم لاهله وانا خير لاهلي (۱۶)

تم لوگوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔

آنحضرتؐ ازواج مطہرات سے بڑی محبت فرماتے تھے، ایک دفعہ آپؐ سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا، آپؐ کو کون شخص زیادہ پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا: عائشہ! پھر پوچھا، مردوں میں سے؟ تو فرمایا: ابوبکر، پھر پوچھا، تو فرمایا: عمر اور پھر متعدد لوگوں کے نام لیے۔ (۱۷)

قرآن مجید میں صراحتاً کہا گیا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۱۸)

جس طرح عورتوں پر مردوں کا حق ہے اسی طرح ان کا حق مردوں پر بھی دستور کے مطابق ہے۔

اس سلسلے میں درج ذیل نکات سے مزید وضاحت ہوتی ہے:

۱- دنیوی رشتوں میں والدین اور اولاد کے بعد اہم رشتہ میاں بیوی کا ہے، ان کے تعلقات کی خوش گواری کا اثر گھر کو رشک جنت بنا دیتا ہے اور اگر بدقسمتی سے میاں اور بیوی کے

درمیان نت نئی کشیدگی ہو یا تعلقات میں خوش گواری نہ ہو تو وہ گھر جہنم سے کم نہیں ہوتا، زوجین کے تعلقات سے نہ صرف اولاد بلکہ پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، ان کشیدہ تعلقات کی بنا پر بچوں کی مناسب تربیت کا انتظام و انصرام نہیں ہو پاتا اور اس طرح ان کا چمکتا و دمکتا روشن مستقبل اندھیروں اور تاریکیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔

انسانی نسل کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی اور ان کی بے رنگ و بے کیف حیات کو تکمیل کے سارے رنگ دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ ہی کی ایک پسلی سے اماں حوا کو تخلیق فرمایا:

وَ جَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا (۱۹)

اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس آرام کرتا رہے۔

۲- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً (۲۰)

اس نے تم کو ایک جان (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔

۳- قرآن پاک میں مختلف انبیا کرامؑ کی عائلی زندگی اور شادی شدہ ہونے کے بارے میں ارشاد موجود ہے۔

۴- سورۃ الرعد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (۲۱)

آپ سے قبل ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا بنایا تھا۔

۵- خود انسان کامل، سرور عالم حضرت محمدؐ نے بھی اس کے متعلق ہدایات دی ہیں، ارشاد ہے ”اے جوانو! تم میں سے جو آدمی مہر و نفقہ کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے، کیوں کہ اس سے نگاہ پاک رہتی ہے اور اخلاق کی حفاظت ہوتی ہے، جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزے رکھے“۔ (۲۲)

۶- حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول پاکؐ نے فرمایا: کہ جس نے نکاح کیا اس نے اپنے نصف دین کی تکمیل کرلی، اب اس کو چاہیے کہ باقی آدھے دین کی بابت خدا سے ڈرتا رہے۔ (۲۳)

۷- قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ (۲۴)

تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کردو، اگر وہ غریب ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔

۸- نکاح کا مقصد صرف دو انسانوں کو یکجا کرنا ہی نہیں بلکہ درحقیقت مناسب رفیق حیات کی تلاش اور جستجو فطرت انسانی کا خاصہ ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے اخلاص و محبت کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ (۲۵)

اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کردی، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ثقافت انسانی کو پاکیزہ دیکھنا چاہتا ہے، اس کے لیے ایسے ایسے آداب سکھائے ہیں جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور ثقافت کے حسن کے لیے ناگزیر ہیں۔

بیویوں کے حقوق کی اہمیت: ظہور اسلام کے بعد بھی بعض لوگوں نے عورت کو بے قدری کی نگاہ سے دیکھا، اس بے قدری کی ایک شکل یہ تھی کہ عبادت و ریاضت میں محو ہو کر بیویوں کی کوئی خبر نہیں لیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابودرداءؓ کا واقعہ بڑی تفصیل سے کتب احادیث میں مذکور ہے کہ کثرت عبادت کی بنا پر ان کی بیویوں کو شکایت پیدا ہوئی تو نبی کریمؐ نے بلا کر ان سے فرمایا کہ ”تمہاری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے“۔ (۲۶)

اس حق کی تفصیل یہ ہے کہ مرد لباس اور وضع قطع میں صاف ستھرا رہے، تاکہ اس کو دیکھ کر بیوی کو مسرت ہو جس طرح شوہر یہ چاہتا ہے کہ بیوی صاف ستھری رہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی کی زیب و زینت کا سامان فراہم کرے، تاکہ وہ نظافت کا خیال رکھے۔

آگے بیوی کے حقوق اور مرد کے فرائض کی کسی قدر تفصیل پیش کی جاتی ہے:

۱-حسن سلوک: عورت کی بیماری یا ناگہانی پریشانی میں اس کی دل جوئی اور دل داری کرے، بیوی کے جذبات کا پاس و لحاظ رکھے، زیادہ دیر پردیس میں نہ رہے، اگر مجبوراً رہنا پڑے تو اپنی بیوی بچوں کو بھی ساتھ رکھے اور بیوی کو اس کے والدین اور قریبی محرم رشتہ داروں سے ملنے کی اجازت بھی دے۔

آنحضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "لوگو! عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو، وہ تمہاری زیر نگیں ہیں، تم نے ان کو اللہ کے عہد پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور ان کے جسموں کو اللہ ہی کے قانون کے تحت اپنے تصرف میں لیا ہے، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ گھر میں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہے، اگر ایسا کریں تو تم ان کو ہلکی ہلکی مار مار سکتے ہو اور تم پر ان کو کھلانا اور پلانا فرض ہے"۔(۲۷)

"بے شک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے، تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ پاک دامن رہیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں، غیر محرم کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں کمی نہ کرو" (۲۸)، حضرت حکیم بن معاویہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، ایک صحابی نے آکر دریافت کیا، یا رسول اللہؐ بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟ فرمایا، "جیسے خود کھائے اور پہنے ویسا اسے کھلائے اور پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے اور نہ سزا کے طور پر اس کو گھر سے نکالے" (۲۹)، خود آنحضورؐ کی گھریلو زندگی ایک بہترین نمونہ تھی، آپؐ ہمیشہ اپنے اہل خانہ سے محبت و پیار کا سلوک کرتے تھے۔

۲-حق مہر: یہ وہ رقم ہے جو حق زوجیت کے عوض عورت کو ادا کی جاتی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً — عورتوں کے مہر خوش دلی سے ادا کرو، ہاں اگر

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ — وہ خوشی سے اس میں کچھ تمہیں معاف کردیں

نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (۳۰) — تو اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔

"ان (محرم اور شوہر والی عورتوں) کے سوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے مال کے ذریعہ حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کردیا گیا ہے، بہ شرطے کہ حصار میں ان کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزادانہ شہوت رانی کرنے لگو، پھر جو تم ان سے ازدواجی زندگی کا لطف اٹھاؤ، اس کے بدلے ان کو فرض کے طور پر مہر ادا کرو"۔(۳۱)

بہرحال مہر کی ادائیگی ضروری ہے، یہ کوئی متعین رقم نہیں ہے بلکہ مرد کی استطاعت کے لحاظ سے بہ وقت نکاح جو طے پائے وہ مرد کو ادا کرنی پڑتی ہے اور مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حیلے بہانے سے رقم کو ہضم کرے یا اس کا کچھ حصہ اڑا لے، نبی کریمؐ کا ارشاد ہے: "جس نے مال مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ تھی کہ مہر ادا نہیں کرے گا، وہ دراصل زانی ہے اور جس نے قرض لیا اور نیت یہ تھی کہ قرض ادا نہیں کرے گا، وہ دراصل چور ہے" (۳۲)، تاہم بیوی کو معاف کرنے کا حق ہے، چاہے کچھ معاف کرے یا پورا معاف کرے، مگر یہ اس کا معاف کرنا اپنی آزادانہ مرضی سے ہو، اگر جبر سے معاف کرایا جائے تو فقہا کے نزدیک شوہر اس کو ادا کرنے کا پابند ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "سب سے زیادہ پوری کرنے کے لائق وہ شرط ہے جس کے ذریعے عورتوں کی عصمت کو تم نے اپنے لیے حلال بنایا ہے، یعنی مہر"۔(۳۳)

ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا: جس شخص نے تھوڑی یا زیادہ جس قدر مہر پر بھی کسی عورت سے نکاح کیا اور اندر سے تہیہ کرلیا کہ بیوی کے اس حق کو ادا نہیں کرے گا تو یہ اس کے ساتھ فریب اور دھوکا ہوگا اور اگر اس نے اس حق کو ادا نہ کیا اور مر گیا تو قیامت کے روز خدا کے سامنے زنا کار کے روپ میں پیش ہوگا۔(۳۴)

۳-نان ونفقہ: شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی کی تمام ضروریات پوری کرے، اپنی حیثیت کے مطابق جیسا خود پہنے ویسا اس کو بھی پہنائے اور جیسا خود کھائے ویسا ہی اس کو کھلائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "خوش حال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی استطاعت کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے"۔(۳۵)

نفقہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو نہیں دیتا یا تو اس کی دو نوعیتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ دینے

کی استطاعت ہی نہیں رکھتا یا پھر استطاعت تو رکھتا ہے مگر اس کے باوجود نہیں دیتا، اول الذکر صورت میں مختلف فقہی نظریات ہیں لیکن اس بارے میں امام مالکؒ کا مسلک اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے کہ ماہ یا دو ماہ یا کچھ مناسب مدت مرد کو مہلت دی جائے لیکن اگر وہ پھر بھی نفقہ کا بندوبست نہ کرسکے تو پھر زوجین میں علاحدگی کرادی جائے اور جو شخص استطاعت رکھنے کے باوجود عورت کو نفقہ نہیں دیتا تو یہ ظلم ہے، قاضی کا فرض ہے کہ وہ عورت کو نفقہ دینے پر مرد کو مجبور کرے، اگر شوہر پھر بھی حاکم کے حکم کی تعمیل نہ کرے تو امام مالکؒ کے نزدیک قاضی ان میں علاحدگی کرادے، کیوں کہ قرآن کی رو سے نفقہ عورت کا حق ہے اور جب کوئی مرد استطاعت کے باوجود عورت کو خرچہ نہیں دیتا تو عورت کا اس مرد سے بندھے رہنا بہت سے فسادات کا باعث ہوسکتا ہے۔

۴-عدل وانصاف: اسلام چوں کہ زنا کو انسانی معاشرے کے لیے دینی، اخلاقی، روحانی اور تہذیبی وتمدنی لحاظ سے مہلک سمجھتا ہے اور اس کی سزا جہاں شادی شدہ مرد یا عورت کے لیے رجم (پتھر مار مار کر ختم کردینا) ہے، وہاں اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر جن کا فیصلہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق خود کرسکتا ہے کہ ضرورت کی بنا پر بہ یک وقت چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس میں یہ کڑی شرط بھی عاید کی ہے کہ ان بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں عدل کو مدنظر رکھنا ہوگا، نیز شوہر، بیوی کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کرے گا اور اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو ان میں مساوات کے اصول پر عمل کرے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (۳۶)

اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (ایک سے زائد بیویوں کے درمیان) انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کافی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور تمہارے بس میں نہیں کہ عورتوں میں انصاف کرسکو، اگر چہ تم ایسا چاہتے ہو تو پھر ایک بیوی کی طرف ہی پورا نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو بالکل بے سہارا لٹکتی ہوئی چھوڑ دو

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۳۷)

اگر تم اپنے طرز عمل کو درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دونوں بیویاں ہر لحاظ سے ایک جیسی نہیں ہوسکتیں، ایک بدصورت ہے، دوسری خوش شکل، ایک بیمار ہے، دوسری تندرست، ایک جوان ہے، دوسری معمر، ایک بدمزاج ہے، دوسری خوش مزاج، اس طرح کے دونوں میں کئی فرق ہوسکتے ہیں جن کی وجہ سے طبعاً آدمی کی طبیعت ایک کی طرف زیادہ اور دوسری کی طرف کم مائل ہوسکتی ہے، مگر اس کے باوجود ضروری ہے کہ تم دوسری طرف بھی کم از کم تعلق ضرور رکھو کہ وہ عملاً بالکل معلق ہو کر نہ رہ جائے، گویا اس کا کوئی شوہر ہے ہی نہیں اور نان نفقہ بہرحال تمہیں اس کا دینا ہوگا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ اپنی بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں پورا پورا انصاف فرماتے اور ساتھ ہی یہ دعا فرمایا کرتے: "اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے، ان چیزوں میں جن پر میرا اختیار ہے اور مجھے اس چیز پر ملامت نہ کر جو خالص تیرے قبضے میں ہے اور میرے قبضے میں نہیں، یعنی طبعی میلان" (۳۸)، اس سلسلے میں بہترین نمونہ خود نبی کریمؐ نے پیش فرمایا ہے، آپؐ نے ہفتے کے دن اپنی ازواج مطہرات میں تقسیم کررکھے تھے اور جس دن جس بیوی کے ہاں ٹھہرنے کی باری ہوتی اس دن اگر ضرورت ہوتی تو بھی اس کی اجازت کے بغیر کہیں اور نہ جاتے اور اگر سفر پر جانا ہوتا تو قرعہ کے ذریعہ فیصلہ فرماتے کہ ساتھ کس زوجہ مطہرہ کو جانا ہے۔

۵-غیر شرعی حکم کی نافرمانی: اگر چہ مرد کو عورت پر ایک درجہ زائد حاصل ہے اور عورت کو مرد کی فرماں برداری کرنے کا حکم ہے مگر اس کے باوجود دونوں کا اصل مقصود تو رضائے الٰہی ہے اور اللہ اور رسول کے احکام پر عمل پیرا ہونا، اس لیے مرد عورت کو کوئی غیر شرعی حکم دینے کا مجاز نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر عورت کو اس کی بات نہیں ماننی چاہیے، نبی کریمؐ کا ارشاد ہے "خالق کی نافرمانی کی شکل میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی"۔ (۳۹)

۶-ایذا رسانی اور زیادتی کی ممانعت: خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو بلاوجہ تکلیف نہ دے، اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو پسند نہ کرتا ہو تو اس کا اخلاقی فرض ہے کہ ایذا رسانی اور ظلم وتشدد کی بجائے، بھلے مانسوں کے طریقے سے اسے رخصت کردے، ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا (۴۰)

اور عورتوں کو ستانے اور زیادتی کرنے کے لیے نہ روک رکھو، جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بنالو۔

ستانے اور زیادتی کرنے میں روحانی، ذہنی اور جسمانی اذیتیں اور زیادتیاں شامل ہیں جو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اس قسم کا رویہ اختیار کرے، وہ اپنے جائز حدود سے تجاوز کرتا ہے اور ایسی صورت میں عورت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قانون کی مدد لے کر اس مرد سے چھٹکارا حاصل کرے۔

۷-صبر اور ضبط: ایک گھر میں زندگی بسر کرتے ہوئے اختلاف رائے کا پیدا ہوجانا اور ناگوار چیزوں کا سامنے آنا ناگزیر امر ہے، ان حالات میں مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صبر سے کام لے اور معاملات کو الجھانے کی بہ جائے سلجھانے کی کوشش کرے، اللہ تعالیٰ نے مرد کو زیادہ اہمیت اور حوصلہ دیا ہے اور یہی اس کی خوبی ہے، اس کے مقابلے میں عورت فطری طور پر نسبتاً جذباتی ہے اور اسی میں اس کا حسن ہے، اس لیے فطری طور پر مرد کو چاہیے کہ زیادہ حلم اور حوصلے سے کام لے اور جذبات کی رو میں نہ بہہ نکلے، آنحضرتؐ نے فرمایا: ”عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے، تم اسے سیدھا نہیں کرسکتے، چاہو تو اس کے ٹیڑھ کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو، تم اسے زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی“۔(۴۱)

۸-عورت کی اصلاح و تربیت کی فکر و سعی: مرد گھر کا قوام اور نگراں ہے، جہاں اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی بچوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ ذمہ داری بھی بتائی ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کی تربیت مناسب اور بہتر انداز میں کرے، ان کی تعلیم و تفریح اور کام کاج کا ماحول مہیا کرے اور ان کے سامنے اپنا عملی نمونہ ایسا پیش کرے کہ وہ اللہ کی رضا کے حق دار بن سکیں اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہوجائیں، ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (۴۲)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

۹-بیوی کا حق خلع: نکاح ایک اہم معاشرتی ضرورت ہے کیوں کہ اس سے خاندان

اور خاندانی معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے لیکن اگر میاں بیوی میں محبت نہ رہے اور ان کے درمیان ایسا اختلاف پیدا ہوجائے کہ مصالحت نہ ہوسکے یا خاوند کے ظلم و زیادتی، ناجائز ایذا رسانی اور بدسلوکی، ناقابل برداشت حد تک بڑھ جائے یا واقعی اور معقول وجہ کی بنا پر میاں بیوی کا اکٹھے زندگی گزارنا ممکن نہ ہو اور خاوند طلاق دینے کے لیے آمادہ بھی نہ ہو تو خاندانی زندگی کے مفاد کے پیش نظر اسلام میں بیوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور حاکم باقاعدہ تحقیق کرکے معاملہ نپٹائے، حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیویاں جمیلہ بنت ابی سلول اور حبیبہ بنت سہل انصاریہ حضورؐ کے پاس اپنے مقدمات لائیں اور حضورؐ نے دونوں دفعہ حضرت ثابت کو حکم دیا کہ وہ طلاق دے دیں (۴۳)، اسلام نے طلاق اور خلع دونوں صورتوں میں احسن طریقے سے علاحدگی کو پسند کیا ہے، یہ بات قابل ذکر ہے کہ ازدواجی زندگی کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر اسلام طلاق اور خلع کو بہت معیوب سمجھتا اور پسند نہیں کرتا، اس کے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔

۱۰-حق وراثت: اسلامی شریعت نے بیوی کو خاوند کی جائداد میں وارث بنایا ہے اور اس کے تفصیلی احکام قرآن وحدیث میں موجود ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (۴۴)

اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہاری بیویوں کے لیے چوتھائی حصہ ہے اور اگر اولاد ہو تو پھر آٹھواں حصہ ہے، اس مال میں جو تم چھوڑو، قرض کی ادائیگی اور وصیت کے مطابق عمل کرنے کے بعد۔

ہماری مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس دین میں بیوی کو اس قدر حقوق دیے گئے ہوں اور اس کی تمام ضروریات زندگی کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہو وہی دین بہتر تہذیب وثقافت کی ضمانت دے سکتا ہے، اس لیے کہ بیوی کے بغیر مکمل خاندانی یونٹ کا تصور ممکن نہیں، ایک اچھے مطمئن اور خوش حال خاندان کا دارومدار ایک تعلیم یافتہ مہذب و مطمئن بیوی پر ہے، تہذیب واقدار کے سوتے اس کی آغوش سے پھوٹتے ہیں، اسی کی گود سب سے پہلا اور سب سے موثر مکتب ہوتا ہے، اس کی زیرنگرانی تربیت یافتہ نسل ہی اپنا تعمیری کردار ادا کرتی ہے، لہذا یہ

کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی روایات واقدار کے تحفظ میں عورت کا کردار ہمیشہ بنیادی رہا ہے۔

حوالہ جات

(۱) بائبل (مطبعہ المرسلین الیسوعیین ، بیروت ۱۸۹۷) سفر التکوین ، باب ۳، ۷-۸۔ (۲) التکویر، ۸-۹۔ (۳) النحل، ۵۸-۵۹۔ (۴) التحریم ۱۱-۱۲۔ (۵) النساء ۱۲۴۔ (۶) النحل ۹۷۔ (۷) النور ۴۔ (۸) البقرۃ ۲۲۸۔ (۹) ابن حبان، مجروحین (دار الوعی، حلب ۱۳۹۶ھ، الطبعۃ الاولیٰ) ص ۔ (۱۰) ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی، عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان (موسسۃ المجمع العلمی ،حدیث اکادمی کراتشی ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸م) ص ۲۲۔ (۱۱) ابی داؤد، السنن، مسند احمد، سنن النسائی، معجم الکبیر طبرانی، بحوالہ عقود الجمان، ص ۲۶۔ (۱۲) عقود الجمان، ص ۲۶۔ (۱۳) بخاری، الجامع الصحیح (مطبعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۶۱ء) ۲/ ۷۷۱، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا:

۱- ان ابا ھریرہ حدثھم ان النبیؐ قال لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یا رسول اللہ وکیف اذنھا قال ان تسکت ۔ ۲- عن عائشہ انھا قالت یا رسول اللہ ان البکر تستحی قال رضاھا صمتھا ،ترمذی، السنن (قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی، ۱/ ۱۶۴، باب ماجاء فی استیمار البکر والثیب):عن ابن عباس ان رسول اللہؐ قال الایم احق بنفسھا من ولیھا والبکر تستاذن فی نفسھا واذنھا صماتھا۔ (۱۴) البیہقی ، السنن الکبریٰ (مطبعہ نشر السنہ ملتان) ۷/ ۱۱۸، باب ماجاء فی النکاح الاباء الابکار.

عن عبد اللہ بن بریدہ قال جاء ت امرأۃ الی عائشۃؓ فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیہ لیرفع بھا خسیسہ وانی کرھت ذلک فقالت عائشۃؓ اقعدی حتی یاتی رسول اللہؐ فذکرت ذلک لہ فجاء نبی اللہؐ فذکرت ذلک لہ فارسل النبیؐ الی ابیھا فلما جاء ابوھا جعل امرھا الیھا فلما رات ان الامر قد جعل الیھا قالت انی قد اخبرت ما صنع والدی انما اردت ان اعلم ھل للنساء من الامر شئی ام لا عنھا ۔(۱۵) نسائی، السنن (المکتبۃ السلفیہ لاہور، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۷۶ء) ۲/ ۸۳، کتاب عشرۃ النساء ، باب حب النساء ، احمد ، المسند (دار الفکر، القاہرہ) ۳/ ۱۹۹۔ (۱۶) ابن ماجہ، السنن (ادارہ احیاء السنۃ النبویہ، سرگودھا ۱۳۹۸ھ) ص ۱۴۳، باب حسن معاشرہ النساء ۔(۱۷) مسلم، الجامع الصحیح (ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ

کراچی، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۵۶ء، ۲/ ۲۷۳، باب من فضائل ابی بکر الصدیقؓ ۔(۱۸) البقرہ ۲۲۸۔ (۱۹) الاعراف ۱۸۹۔ (۲۰) النساء ۱۔ (۲۱) الرعد ۳۸۔ (۲۲) بخاری، الجامع الصحیح (مطبعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۶۱ء، ۱/ ۲۵۵، باب الصوم لمن خاف علی نفسہ العذوبۃ : ۱-عن علقمہ قال بینا انا امشی مع عبد اللہ فقال کنا مع النبیؐ فقال من استطاع الباٰۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء قال ابو عبد اللہ الباٰۃ النکاح ۔ ۲-مسلم، الجامع الصحیح (کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۵۶ء) ۱/ ۴۴۸-۴۴۹، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ و وجد مؤنہ ومن عجز عن المؤن اشتغال بالصوم ۔ ۳-البیہقی، شعب الایمان (مطبعہ دار الکتب العلمیہ ، بیروت لبنان) فصل ترغیب فی النکاح ، ۴/ ۳۸۰، باب ۳۷۔ (۲۳) الخطیب التبریزی، المشکوٰۃ المصابیح (کارخانہ تجارت کتب کراچی) ص ۲۶۸، کتاب النکاح ، الفصل الثالث ، عن انس قال قال رسول اللہؐ اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی (بحوالہ البیہقی فی شعب الایمان)۔(۲۴) النور ۳۲۔(۲۵) الروم ۲۱۔(۲۶) بخاری، الجامع الصحیح، ۲/ ۹۰۵، باب حق الضیف : عن عبد اللہ بن عمرو قال دخل علی رسول اللہؐ فقال الم اخبر انک تقوم اللیل وتصوم النھار قلت بلی قال فلا تفعل قم ونم و صم وافطر فان لجسدک علیک حقا وان لعینک علیک حقاً وان لزورک علیک حقا وان لزوجک علیک حقاً ۔(۲۷) ترمذی، السنن (قرآن محل کراچی) ۲/ ۱۵۷، ابواب التفسیر ، سورہ توبہ ، عن سلیمان بن عمرو بن الاحوص قال حدثنی ابی انہ شھد حجۃ الوداع مع رسول اللہؐ فحمد للہ واثنی علیہ وذکر وعظ ثم قال ای یوم ھذا .... الا واستوصوا بالنساء خیرا فانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئا غیر ذلک الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیر مبرح فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا الا وان لکم علی نسائکم حقا ولنسائکم علیکم حقا فاما حقکم علی نسائکم فلا یوطئن فرشکم من تکرھون ولا یاذن فی بیوتکم لمن تکرھون الا وان حقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن

وطعامهن ۔(۲۸) الترمذی، السنن ۲/ ۱۵۷۔ (۲۹) ابن ماجہ، السنن، ص ۱۳۴، باب حق المرئة علی الزوج (ابواب النكاح)، التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکاۃ المصابیح، ۲۸۱، باب عشرة النساء (كتاب النكاح) ۔(۳۰) النساء، ۴۔ (۳۱) ایضاً، ۲۴۔ (۳۲) ابن تیمیہ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ریاست الحرمین الشریفین، سعودی عرب) ۳۲/ ۱۹۳، ابوبکر، نورالدین الہیثمی، مجمع الزوائد (موسسہ المعارف، بیروت ۱۹۸۶ء) ۴/ ۱۳۴ (باب فيمن نوى ان لا يقضى دينه)۔ (۳۳) بخاری، الجامع الصحیح، ۲/ ۷۷۴، باب الشروط فى النكاح : عن عقبه عن النبیؐ قال احق ما اوفيتم من الشروط ان توفوابه ما استحللتم به الفروج ۔(۳۴) الہیثمی، ابوبکر، نورالدین، مجمع الزوائد، ۴/ ۱۳۵ (باب فيمن نوى ان لا يقضى دينه)۔ (۳۵) البقرہ:۲۳۶۔ (۳۶) النساء ۳۔ (۳۷) ایضاً ۱۲۹۔ (۳۸) ترمذی، السنن، ۱/ ۱۲۹، عن عائشةؓ ان النبیؐ كان يقسم بين نساء فيعدل ويقول اللهم هذه قسمتى فيما املك ولا تلمنى فيما، تملك ولا املك ۔(۳۹) البغوی، شرح السنہ (المکتب الاسلامی، بیروت، دمشق، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۷۸ء) ۱۰/ ۴۴: ۱- عن النواس بن سمعان قال : قال رسول اللهؐ لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق ۔ ۲- احمد، المسند (دارالفکر القاہرہ) ۱/ ۱۲۹: عن علیؓ عن النبیؐ، قال لا طاعة للبشر فى معصية الله ۔ ۳- ابن ماجہ، السنن (ادارہ احیاء السنۃ النبویہ، سرگودہا) ص ۲۱۱: عن عبد الله بن مسعودان النبیؐ قال : سيلى اموركم ...... يا ابن ام كيف تفعل، لاطاعة لمن عصى الله ۔(۴۰) البقرہ: ۲۳۱۔ (۴۱) بخاری، الجامع الصحیح، ۱/ ۴۶۹، ۲/ ۷۷۹ (كتاب الانبيا، باب خلق آدم وذريته : كتاب النكاح (باب المرأة مع النساء، باب الوصاة بالنساء)۔ (۴۲) التحریم: ۶۔ (۴۳) بخاری، الجامع الصحیح، ۲/ ۷۹۴۔ (۴۴) النساء: ۱۲۔

مولانا محمد علی-حریت پسند

(مولد ۱۰/ دسمبر ۱۸۷۸ء، رام پور، وفات ۴/ جنوری لندن)

از:- ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی ☆

مولانا محمد علی جوہر کی سیاست اور مذہبی سرشاری کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھنا ناگزیر ہے، وہ مذہب کو زندگی کی ایک تعبیر اور مکمل نظام حیات مانتے تھے، مولانا تاریخ کے طالب علم تھے، نظر بندی اور جیل کی صعوبتوں کے زمانہ میں انہیں قرآن اور تاریخ اسلام کا بہ غائر مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا، انہوں نے اس مکمل نظام حیات کے ایک تاریخی مرحلہ، واقعات کربلا سے یہ سبق سیکھا تھا کہ جب کبھی باطل کے مقابلے حق کی آواز بلند ہوگی تو وہ اسی واقعہ کربلا کی توسیع ہوگی۔

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کو وہ ایک مستقل جہاد تصور کرتے تھے، مولانا اپنے معاصرین میں وہ واحد شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان کی آزادی کو اپنا مذہبی فریضہ قرار دیا تھا، مولانا محمد علی کی اسلام دوستی کبھی وطن پرستی میں مانع نہیں آئی، ان کی صحافت، شاعری، تحریر وتقریر اپنی مذہبی رنگ و آہنگ کے باوجود تنگ نظری کے بہ جائے محبت ورواداری پر مبنی تھی۔

خلافتِ عثمانیہ، عالمی اسلامی حکومت کی وجہ سے اپنا ایک مذہبی تقدس رکھتی تھی، مسلمانانِ عالم کے ساتھ مسلمانانِ ہند بھی اس کے قدرداں اور خیر خواہ تھے، اور بلقانی ریاستیں جو خلافت عثمانیہ کے تحت تھیں، ان پر حملہ وہ اسلام پر حملہ سمجھتے تھے، ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان کے موقع پر مولانا محمد علی نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں ایک طبی وفد ترکی روانہ کیا، اس وفد کی روانگی پر مسلمانوں میں جوش اور بھی بڑھا اور یہ جوش انگریزی حکومت سے نفرت وحقارت میں بدل گیا، یہ مولانا محمد علی کا کمال تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے اس جوش کو ہندوستان کی آزادی کی طرف موڑ دیا

☆ چوک محمد سعید خاں، لنگر خانہ، رام پور-۲۴۴۹۰۱، یوپی۔

اور ہندوستانی مسلمان ہندوستان کی آزادی کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھنے لگا، چوں کہ انگریز نے حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے غصب کی تھی، اس لیے انگریز سے دوسری اقوام کی نسبت نفرت کرنا مسلمان کا ایک فطری عمل تھا، خلافت تحریک کی بنیاد ان ہی جذباتوں پر ہے، مولانا محمد علی کا کہنا تھا:

''اسلام گوشہ نشینوں اور تسبیح خوانوں کا مذہب نہیں ہے، سیاست بھی تنظیم مسلمانان کا ایک لازمی جز ہے''۔

خلافت تحریک نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو تیز تر کر دیا اور خلافت تحریک کا رخ ہندوستان کی آزادی کی طرف مڑ گیا، مولانا محمد علی ۷؍ دسمبر ۱۹۲۴ء کو ''ہمدرد'' میں ''کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''بعض ہندو لیڈروں کا یہ نظریہ کہ جب تک اخوت اسلامی کا رشتہ منقطع نہ کر دیں، ہندوستانی مسلمانوں میں حب الوطنی پیدا نہیں ہو سکتی، صحیح نظریہ نہیں کہا جا سکتا، مسلمانوں کے نزدیک عالمی اسلام سے رشتہ اخوت، حب وطن کے لیے مانع نہیں ہے، ایک انسان اپنے مذہب اور دھرم سے محبت کرتے ہوئے بھی اپنے ملک سے پیار اور اپنے وطن سے پریم کر سکتا ہے، مہاتما گاندھی تمام دنیا سے محبت رکھنے کے مدعی ہیں اور فی الواقع ان کو تمام دنیا سے الفت ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے ہندوستان کے ساتھ محبت میں کوئی کمی واقع ہو گئی ہے؟...... جس طرح ایک کٹر سناتنی پنڈت اور کٹر آریہ سماجی پکا اور مخلص حب وطن ہو سکتا ہے اسی طرح ایک کٹر مسلمان جو اپنے مذہبی تعلیمات و احکام پر ایمان وعقیدہ رکھتا ہے، مخلص حب وطن ہو سکتا ہے، ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ حب وطن جزو ایمان ہے''۔

ہندوستان کی آزادی کے لیے مولانا محمد علی ہندو مسلم اتحاد کو ضروری سمجھتے تھے لیکن ایک مخصوص سنگھٹن نے فاصلوں کو بڑھانا شروع کر دیا، روزنامہ ''ہمدرد'' اور ''کامریڈ'' کے فائل اس بات کے گواہ ہیں کہ محمد علی نے ہندو مسلم اتحاد کی جان توڑ کوشش کی، ان کا نظریہ تھا کہ اگر ملتیں الگ الگ بھی ہوں تو بھی قوم ایک ہو سکتی ہے، چنانچہ ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو اپنے روزنامہ ''ہمدرد''

میں لکھتے ہیں:

''ملیت، قومیت کے اس قدر منافی نہیں ہے کہ مختلف ملتوں کا وجود ہی قومیت کو پیدا نہ ہونے دے......، ایک مسلمان اسے ہمیشہ اپنا فرض سمجھے گا کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم پر ظلم کرے تو یہی نہیں کہ اسے اس ظلم میں مدد نہ دے بلکہ اسے اس ظلم سے باز بھی رکھے''۔

انھوں نے تحریر کیا:

''اسلام ہرگز حب وطن اور غیر مسلموں کے ساتھ آزادی اور حریت اور بنی نوع انسان کی خدمت میں تعاون کے برخلاف نہیں''۔ (ایضاً)

مولانا محمد علی کو بعض حضرات اپنی کم علمی اور محدود مطالعہ کی بنیاد پر یا کسی مخصوص طبقے کو خوش کرنے کے لیے ملک دشمن یا الگاؤوادی (ایک دوسرے کو الگ کرنے والا) فرما بیٹھتے ہیں، مولانا ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں رہے، ۱۹۲۶ء میں انھوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا:

''یہ ملک کے لیے سخت ترین اطلاع اور آزمائش کا زمانہ ہے، نہ آپ خود مشتعل ہوں نہ اپنے کسی لفظ یا عمل سے اہل ہنود کو مشتعل ہونے دیں، میں درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ تمہارے اوپر ہاتھ اٹھائیں تو سر جھکا دو، اگر چھری دکھائیں تو سینہ آگے کر دو، اگر ظلم کریں تو صبر سے کام لو''۔

ایک ایسے شخص کو ملک دشمن قرار دینا جس نے ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کی ہو، کم علمی کی دلیل ہے۔

مولانا محمد علی کی سیاست کا پس منظر مذہب سے وابستہ ہے، وہ اس رمز سے بہ خوبی واقف تھے کہ مسلمان اپنا مذہبی رشتہ، مذہبی تاریخ سے نہیں توڑ سکتا، ''خلافت'' مسلمانوں کی مرکزیت ہے، مسلمان دینی طور پر اس مرکزیت کو قائم رکھنے کے لیے ذمہ دار ہیں، اس کے ختم ہونے سے مسلمانوں کی مرکزیت کو نقصان پہنچا ہے، اس خیال سے کہ مسلمانوں کی مرکزیت قائم رہے، ۱۹۱۹ء میں مولانا محمد علی اور مولنا عبدالباری فرنگی محلی کی ایما پر امرت سر میں خلافت کا رزولیشن پاس ہوا، خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور گاندھی جی اور گرو شنکر اچاریہ کو اپنا ہم نوا بنایا گیا،

گاندھی جی کو ہم راہ لے کر مولانا محمد علی نے ہندوستان کے انہیں دورے کرائے، ان کے اس عمل سے ہندو مسلم اتحاد قائم ہوا، خلافت تحریک نے مسلمانوں میں عمل کی قوت پیدا کردی تھی اور سیاسی اور سماجی طور پر دوسری اقوام کو مسلمانوں کی اہمیت کا اندازہ ہونے لگا تھا، تحریک خلافت کے مقاصد میں بنیادی طور پر یہ بات شامل تھی کہ دنیا کی وہ تمام اقوام اور ممالک جو انگریز کی غلامی میں زندگی گزار رہے ہیں، انہیں آزادی ملنا چاہیے، چنانچہ خلافت ورکنگ کمیٹی کے بیان سے خلافت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

> "مسلمان اپنی پوری قوت کے ساتھ ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوسکتے ہیں جو آزادی کو ہندوستان کا پیدائشی حق سمجھتے ہوں، بہ شرطے کہ وہ اسی طرح ہندوستان کے انتظام و انصرام میں ہندوستانی مسلمانوں کی آزادانہ اور مساویانہ شرکت کے پیدائشی حق کو بھی تسلیم کریں"۔ (مسلم اینڈ دی کانگریس: جنرل سکریٹری، سنٹرل خلافت کمیٹی آف انڈیا، ص ۲۵)

مولانا محمد علی نے امرت سر میں (۱۹۱۹ء) میں کہا تھا:

> "خدا نے مجھے ویسا ہی آزاد پیدا کیا ہے، جس طرح جارج پنجم کو......، ہم یہاں اس لیے جمع نہیں ہوئے ہیں کہ ہم یہ اپیل کریں کہ ہم کو آزاد کردو، میں اس ملک کے نام پر بول رہا ہوں، جس کی آزادی ہم کو بہت زیادہ عزیز ہے، بہ نسبت کسی شخصِ واحد کی آزادی کے...... میں ضرور جیل بھیج دیا جاؤں، مگر ہندوستان کو آزاد ہونے دیجیے، تاکہ کوئی شخص کسی ہندوستانی مرد یا عورت کو یہ نہ کہہ سکے کہ یہ پیدائشی غلام ہے"۔

اس طرح ہندوستان کی آزادی کا اعلان وہ کسی نہ کسی طرح ۱۹۱۹ء میں ہی کرچکے تھے، ۱۹۲۱ء میں کراچی میں عیدگاہ کے میدان میں خلافت کا ایک جلسہ ہوا، مولانا محمد علی صدر تھے، بہ حیثیت صدر مولانا نے ایک رزولیشن پڑھ کر سنایا:

> "آل انڈیا خلافت کانفرنس کا یہ جلسہ اس امر کا صاف اعلان کرتا ہے کہ ہر مسلمان پر انگریزی فوج میں نوکری کرنا، نوکر رہنا، بھرتی ہونا یا بھرتی کرانا

> شرعاً حرام ہے اور مسلمانوں کا بالعموم اور علما کا بالخصوص یہ فرض ہے کہ شریعت کے احکام کو فوج تک پہنچائیں......"

اس رزولیشن میں یہ بھی اعلان کیا گیا تھا کہ آیندہ جلسے میں جو احمد آباد میں ہونا قرار پایا تھا کہ "ہندوستان کی کامل آزادی اور ہندوستان میں جمہوری حکومت کا اعلان کردیں گے"۔ (مقدمہ کراچی: عبدالقادر بیگ، حصہ اول، ص ۱۱۸)

فوج میں بغاوت پھیلانے کے الزام میں مولانا محمد علی رام پوری، مولوی حسین احمد صاحب دیوبندی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، پیر غلام مجدد، مولوی نثار احمد کان پوری، مہاراج بھارتی کرشنا تیرتھ جی عرف ونکٹ رام سری گروشنکر اچاریہ اور مولانا شوکت علی پر مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا محمد علی اور شوکت علی کو دو دو سال کی سزائیں ہوئیں، اس سلسلے میں جیل کی وردی میں ان کی مشہور تصاویر ملتی ہیں۔

پروفیسر افغان اللہ خاں نے خلافت کے سلسلے میں تحریر کیا ہے:

> "خلافت عثمانیہ اور پھر ہندوستان کی غلامی اور اس پر انگریزوں کی سازش، اس وقت کا ایک سیاہ باب ہے بلکہ آج بھی اسلامی دنیا پر اسی طرح کے بادل چھائے ہوئے ہیں، مذہبی عقائد، آزادی وطن، ذہنی وسائل اور خوش حالی کو جمہوریت، خوش حالی اور مہذب بنانے کے نام پر درپردہ سازش جاری ہے، تقریباً پون صدی قبل اسی طرح کے حالات تھے اور انہیں حالات نے مسئلہ خلافت اور تحریک خلافت کو جنم دیا تھا"۔ (نیا دور، محمد علی نمبر، اپریل ۲۰۰۵ء، ص ۶۶)

پروفیسر افغان اللہ خاں نے بہت اہم بات لکھی ہے اور پڑھنے سے زیادہ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا محمد علی نے اپنی موت کا انتخاب خود کیا، وہ غلام ملک میں نہیں مرے، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو مجھے یا تو آزادی کا پروانہ دینا ہوگا یا قبر کے لیے دو گز جگہ، ۴/جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں ہائڈ ہوٹل پارک میں ان کا انتقال ہوگیا اور بیت المقدس میں انہیں دفن کردیا گیا، احمد شوقی نے عربی میں مرثیہ لکھا:

"اے بیت المقدس تو اپنے چمن کو آراستہ کرلے اس کے لیے جو تیرے پاس آرہا ہے اور اس کے پانے کا جشن کر، کیوں کہ یہ اللہ جلالہ کی تلواروں میں ایک تلوار ہے۔

حضرت محمدؐ نے اس کے اطراف میں نماز پڑھی ہے اور اللہ کی نوازشوں کا اس علاقہ میں استقبال کیا ہے، اے بیت المقدس تو اپنے چمن کو آراستہ کر"۔

اخبار علمیہ

"کلیۃ اللغۃ والترجمۃ" سعودی عرب کے ڈین فیصل محمد المحنا کے حوالہ سے "عرب نیوز" میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ سعودیہ میں ترجمہ نگاری کا ایک بین الاقوامی مرکز قائم کیا جائے گا، جس کے تحت بین الاقوامی ادب، تعلیم اور سائنس اور کتب مراجع و مصادر عربی میں منتقل کی جائیں گی اور طلبہ کو فن ترجمہ نگاری کی باریکیوں سے واقفیت کا موقع بھی فراہم کیا جائے گا، عرب نیوز نے اقوام متحدہ کے اس جائزہ کا بھی رپورٹ میں تذکرہ کیا ہے کہ گذشتہ ہزار برسوں میں جتنی کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں، ہسپانوی زبان میں اتنی صرف ایک سال میں ترجمہ کی جاتی ہیں، ڈاکٹر محنا نے اس مجوزہ مرکز کے قیام کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب میں غیر عربوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اس مرکز کا قیام ناگزیر ہوگیا ہے، سردست کلیۃ اللغۃ والترجمۃ میں ۴ ہزار طلبا و طالبات کے لیے دس زبانوں کی تعلیم و ترجمہ کی سہولت ہے، ۳۰ فیصد انگریزی اور بقیہ فرنچ، جرمنی، ہسپانوی، اطالوی، روسی، ترکی، فارسی، جاپانی اور عبرانی زبانیں بھی سیکھتے ہیں، اردو زبان میں تعلیم وترجمہ کا گر بھی پاکستان کے اشتراک وتعاون سے سکھائے جانے کی تجویز زیر غور اور آئندہ سال انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں ایم اے کی سند تفویض کرنے کا بھی منصوبہ ہے، اس سنٹر سے غیر مسلموں کے ساتھ مذاکرات اور اسلام کے متعلق پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی مقصود ہے۔

یونیسکو کے زیر اہتمام "تعلیم سب کے لیے" کے عنوان سے کل جماعتی کانفرنس میں پاکستان کے متعلق یہ افسوس ناک رپورٹ پیش کی گئی ہے کہ وہاں کے نوجوانوں میں تعلیم وتعلم کا رجحان بہت کم ہے اور پاکستان کے نوجوانوں کی نصف آبادی ناخواندہ ہے، اس کانفرنس میں سرکاری وغیر سرکاری افراد شریک تھے، کانفرنس میں یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ اگر اس جانب خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی تو ۲۰۱۵ تک پاکستان میں ناخواندہ نوجوان کی آبادی ۵۲ ملین ہو جائے گی، واضح رہے کہ جنوبی ایشیا کے ممالک میں وہاں ابتدائی درجوں میں طلبہ کی نمائندگی سب سے کم یعنی ۵۳٪ ہے۔

اخبار علمیہ

برطانوی اخبار ''سن'' کی اطلاع ہے کہ برطانیہ میں انسانوں سے زیادہ چوہے رہتے ہیں اور ایک آدمی پر ایک سے زائد چوہے کا اندازہ کیا گیا ہے، رپورٹ کے مطابق یہ گورے چوہے ۸۰ ملین ہیں اور انسانوں کی آبادی ۶۱ ملین ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ۲۰۰۰ء کے بعد چوہوں کی تعداد میں ۳۹ فیصد اضافہ حیرت ناک ہے، ان سے طاعون اور دیگر بیماریاں انسانوں میں منتقل ہورہی ہیں، ماحولیاتی کارکن رسینوکل یوکے کا کہنا ہے کہ اس اضافے کا ایک سبب یہ ہے کہ بجائے ہفتہ کے ۱۵ر دنوں میں مکانات اور گلیوں کی غلاظت اور کوڑا کباڑا اٹھایا جاتا ہے اور ان ازکار رفتہ چیزوں کے زیادہ دیر تک موجود رہنے سے چوہوں کی افزائش کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں، دوسرا اہم سبب یہ بھی ہے کہ سخت سرد موسم اور بے پناہ بارش کے سبب نالیوں اور پائپوں کے راستے سے محفوظ مقامات کی تلاش میں انسانی آبادی میں رہنا چوہے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بدنام زمانہ یہودی دہشت گرد تنظیم ''موساد'' نے امریکی افواج کی مدد سے ایٹمی ہتھیار بنانے میں ماہر تین سو عراقی سائنس دانوں کو ختم کردیا ہے، ان کے علاوہ مختلف سائنسی علوم میں دست رس رکھنے والے دو سو سائنس داں بھی ان کے ہتھے چڑھ چکے ہیں، ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ اپنے ملک عراق کی علمی و سائنسی ترقیات کے خواہش مند تھے اور امریکی سائنسی اداروں میں کام کرنے سے انکار کردینے کی جرأت کا انہوں نے اظہار کردیا تھا، امریکی وزارت خارجہ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ تقریباً ایک ہزار عراقی سائنس داں موساد کے ناپاک عزائم کے نشانے پر ہیں، سرزمین عراق میں آئے دن آگ اور خون کے کھیل کی ایک قابل ذکر توجیہ تجزیہ نگاروں نے یہ بھی کی ہے کہ اس کے پیچھے مقصد عراقی سائنس دانوں کو نیست و نابود کردینا ہے تاکہ عراقی قوم ان علوم میں مہارت تامہ حاصل نہ کرپائے۔

پاکستان کی ٹکنولوجیکل اور سائنس کمیٹی نے دنیا بھر کے ان مسلم سائنس دانوں کی ڈائرکٹری تیار کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، جو علم الحیات، علم الکیمیا اور فنون طب میں مصروف عمل ہیں، سائنس کمیٹی نے ۴۱ ملکوں کے مسلم سائنس دانوں کا یہ اشاریہ ۱۶ جلد میں مکمل کرلیا ہے، افغانستان، البانیہ، آذربائیجان، الجیریا، بنگلہ دیش، بحرین، برونی دار السلام، برکینو فیسو، کیمرون، چاڈ، جزائر القمر، ڈیجی باؤٹی، مصر، گینا بساؤ، گیبان، گامبیا، ایران، عراق، انڈونیشیا اردن، قزاقستان، کویت،

کرغیزستان، لبنان اور لیبیا کے مسلم سائنس دانوں کے حالات و کوائف پر مشتمل چار جلدیں پہلے ہی تیار کی جاچکی ہیں، ان کے علاوہ ملیشیا، مالدیپ، مالی، موریطانیہ، موزمبیق، مراکش، نائجیریا، عمان، پاکستان، فلسطین، قطر اور سعودی عرب کے مسلم سائنس دانوں کے متعلق مفصل معلومات بھی مہیا کی جاچکی ہیں۔

شمالی ہند کی مشہور اسلامی درس گاہ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج نے عربی زبان میں ایک ششماہی رسالہ جاری کیا ہے، اس رسالہ کے مدیر مولانا رحمت اللہ اثری اور معاون مدیر انیس احمد فلاحی ہیں، مجلہ اپنے موضوعات و مباحث کے لحاظ سے اہم اور ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہے، اس کے مقاصد میں اسلام پر کیے گئے حملوں کا دفاع اور اس پر وارد اعتراضات اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا نیز مذاہب عالم کا اسلام سے مقابلہ و تجزیہ کرکے اس کی حقانیت و افضلیت ثابت کرنا ہے، عربی مدارس کے طلبہ کے لیے یہ خاص طور پر مفید ہے، البتہ تحقیقی موضوعات اور بلند پایہ اردو مواد کو عربی زبان میں پیش کرنے کے علاوہ اگر اس مجلہ کے دامن کو علوم جدیدہ یعنی سائنس و ٹکنالوجی پر مشتمل تحریروں سے آراستہ کیا گیا تو اس کی اہمیت و افادیت طلبہ کے ساتھ ساتھ اہل علم کے حلقہ میں بھی دوبالا ہوجائے گی۔

اعلا تعلیم اور سائنسی تحقیق میں دنیا کے تیس ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہونے کا اعزاز سعودی عرب نے حاصل کرلیا ہے، ''میگزین'' نامی برطانوی رسالہ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سعودیہ عربیہ کو جائزے میں عالمی سطح پر اعلا تعلیم میں ساتواں مقام ملا ہے اور اس نے فرانس، ہالینڈ، یونان، اسپین، روس، مصر، جاپان، اٹلی، پولینڈ، ملیشیا اور یوکرین پر سبقت حاصل کی ہے، رپورٹ کے مطابق اس کو یہ مقام اس وجہ سے ملا کہ جب پانچ سو نمایاں ترین عالمی یونی ورسٹیوں کی فہرست تیار کی گئی تو اس معیار پر سعودیہ کی متعدد یونی ورسٹیاں کھری اتریں، جائزے میں فی کس طالب علم پر خرچ اور تعلیم پر اخراجات کے بجٹ کو بھی پیش نظر رکھا گیا تھا، نیز دنیا کے سو نمایاں ترین تجارتی مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ کی تعداد میں بھی سعودی عرب امتیازی مقام پر فائز ہوا ہے، اس وقت سعودی عرب میں یونی ورسٹیوں کی تعداد ۸ سے بڑھ کر ۲۰ ہوگئی ہے۔

ک، ص اصلاحی

جناب ضیاء الدین اصلاحی صاحبؒ کی وفات

تعزیتی تجاویز اور خطوط

جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی ناظم دارالمصنفین و مدیر معارف کے اچانک سانحۂ ارتحال پر ملک اور بیرون ملک میں غم واندوہ اور ماتم وتعزیت کا ماحول ہے، اخباروں اور رسالوں سے اس کا اظہار مسلسل ہورہا ہے، دارالمصنفین اور معارف اور خود مولانا مرحوم کی شخصیت سے محبت وتعلق کا یہ اظہار ان تعزیتی خطوط وتجاویز سے بھی ہوتا ہے جو ہم کو برابر موصول ہورہے ہیں، ہم ان تمام حضرات اور اداروں کے شکرگزار ہیں جنھوں نے اپنے جذبات اور کلمات سے ادارے کے غم میں شرکت کی، ان تمام حضرات کے اسمائے گرامی کا ذکر ہمارے لیے مشکل ہے، جنھوں نے فون کے ذریعہ، سڑک حادثہ اور پھر وفات پر تعزیت کی، تاہم ذیل میں ان اداروں کے نام دیے جاتے ہیں جن کی جانب سے تعزیتی تجاویز موصول ہوئیں:

(۱) اترپردیش کانگریس کمیٹی، لکھنؤ۔ شعبہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔ (۳) ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ۔ (۴) مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ۔ (۵) شبلی نیشنل ڈگری کالج، اعظم گڈھ۔ (۶) شبلی انٹر کالج، اعظم گڈھ۔ (۷) شبلی نیشنل نرسری اسکول، اعظم گڈھ۔ (۸) مدرسہ نسواں انٹر کالج، اعظم گڈھ۔ (۹) مدرسہ تعلیم الاسلام وفاطمہ یتیم خانہ، اعظم گڈھ۔ (۱۰) فاطمہ گرلس کالج اینڈ اسکول، داؤد پور، اعظم گڈھ۔ (۱۱) مسلم ریلیف کمیٹی، اعظم گڈھ۔ (۱۲) محمد مسعود خاں ڈگری کالج، منگراواں۔ (۱۳) دی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن، اعظم گڈھ۔ (۱۴) کلیہ فاطمۃ الزہرا، مئوناتھ بھنجن۔ (۱۵) اقرا پبلک اسکول، خیرآباد، مئو۔ (۱۶) مرقاۃ العلوم، مئو۔ (۱۷) الجامعۃ العالیۃ العربیہ، مئو۔ (۱۸) اصلاحی برادران، مئو۔ (۱۹) سر اقبال پبلک اسکول، مئو۔ (۲۰) اسکالر پبلک اسکول، مئو۔ (۲۱) مدرسہ ضیاء العلوم، تکیہ کلاں، رائے بریلی۔ (۲۲) مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ، گیا، بہار۔

حبیب منزل، علی گڑھ۔
۲/۲/۰۸ء

مکرمی ومحترمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج صبح مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے حادثۂ وفات کی اطلاع ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کے ذریعہ ملی، جتنا ملال ہوا اس کا اظہار ممکن نہیں، ان سے آخری ملاقات علامہ شبلی توسیعی لکچر کے موقع پر اعظم گڈھ میں ہوئی تھی، گزشتہ مجلس انتظامیہ کے جلسے میں میں حاضر نہیں ہوسکا تھا اور نہ وہ اس دوران علی گڑھ تشریف لائے، جب وہ حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو میں انہیں نیازنامہ لکھا تھا لیکن ان کا خط بھی مدت سے نہیں آیا تھا، بہرحال اب صرف ان کی یاد رہ گئی، بہت مخلص انسان تھے، میرا بہت خیال کرتے تھے، دارالمصنفین کو انہوں نے جس طرح چلایا اور معارف کا جو معیار قائم رکھا وہ ان کا کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کا انہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور آخرت کے نعائم ولذائذ سے نوازے، ان کی جدائی کے احساس کے ساتھ دارالمصنفین کے مستقبل کا سوال بھی پریشان کن ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کوئی ایسی راہ نکالے کہ وہ اپنی اعلا روایات کے ساتھ قائم اور ترقی پذیر رہے۔

تعزیت کے مستحق ہم سب ہیں پھر بھی براہ مہربانی جملہ وابستگان دارالمصنفین اور مولانا مرحوم کے ورثا میری دلی تعزیت قبول فرمائیں۔

شریک غم
ریاض الرحمان شروانی

خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف
پٹنہ (بہار)

محترم ومکرم جناب مولانا عمیر الصدیق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۳رفروری ۲۰۰۸ء کے مقامی اخبارات سے یہ روح فرسا خبر ملی کہ دارالمصنفین کے ڈائرکٹر جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب ایک سڑک حادثے میں رحلت فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون ، یہ خبر ہوش ربا اور ہم سب کے لیے انتہائی المناک ہے۔

مولانا ایک متبحر اور صاحب تحقیق عالم تھے، دارالمصنفین کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے انہوں نے تصنیف وتحقیق کی قابل تحسین خدمات انجام دیں، مولانا کا انتقال علمی دنیا کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، دارالمصنفین سے خانقاہ مجیبیہ کے قدیم روابط رہے ہیں، اس لیے یہ ہم لوگوں کے لیے بھی ذاتی طور سے ایک بڑا حادثہ ہے۔

جنوری ۲۰۰۸ء کے ”معارف“ میں مولانا مرحوم کے بصیرت افروز شذرات نظر سے گزرے تھے، کیا معلوم تھا کہ یہی شذرات ان کے قلم کے آخری شذرات ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلاعلیین میں جگہ عطا فرمائے اور اپنی مغفرت اور خصوصی انعامات سے نوازے۔

میری طرف سے صاحب زادگان والاشان، جملہ اہل خاندان اور فقہائے دارالمصنفین کو تعزیت مسنونہ پیش ہے۔

والسلام

محمد آیت اللہ قادری

۴/۲/۲۰۰۸ء

مزمل منزل، سول لائنس، باسمہ تعالیٰ

علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۲۔

۴رفروری ۲۰۰۸ء

مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابھی کچھ دیر پہلے محترمی ضیاء الدین اصلاحی صاحب کے سانحۂ ارتحال کی خبر سنی، یقین فرمائیے کہ ایک دھکا سا لگا اور دل بیٹھ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہم میں ایسے لوگ کہاں پیدا ہیں، مولانا سے کافی عرصہ سے نیاز حاصل تھا، بہت کرم فرماتے تھے، یہ نقصان صرف میرا یا کسی اور فرد واحد کا نہیں پوری ملت کا ہے جو بہ مشکل پورا

ہو پائے گا۔

میری طرف سے تعزیت قبول فرمائیے اور اگر زحمت نہ ہو تو میرا پیغام تعزیت مولانا کے اہل خانہ کو بھی پہنچا دیجیے، ممنون ہوں گا، باری تعالیٰ مرحوم جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو اس سانحہ کو برداشت کرنے کی توفیق سے نوازے، آمین، ثم آمین۔

شریک غم خاکسار

محمد رحمت اللہ

اکھل بھارتیہ کانگریس کمیٹی

۲۴-اکبر روڈ، نئی دہلی

۳رفروری ۲۰۰۸ء

عزیزی محمد طارق

مجھے آپ کے والد جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے اچانک حادثہ کی وجہ سے ہوئے انتقال کی خبر پاکر بے حد افسوس ہوا، آپ کے والد نہ صرف ایک عالم دین تھے بلکہ ایک مخلص اور سنجیدہ خادم انسانیت تھے، تمام اداروں سے جڑ کر معاشرے کی خدمت کے میدان میں انہوں نے اپنی ایک جگہ بنائی، ان کے اس تعاون کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان کے ذریعہ لکھی گئی کتابیں قوم کو ہمیشہ راستہ دکھاتی رہیں گی، ان کے انتقال سے قوم نے اپنا ایک بہت ہی نیک دل نمائندہ کھو دیا ہے، جس کی کمی ہمیشہ محسوس ہوگی۔

دکھ کے اس موقع پر میں آپ اور آپ کے خاندان اور مولانا صاحب کے تمام ساتھیوں اور اکیڈمی کے دوسرے کارکنوں کے لیے اپنی طرف سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہوں۔

شریک غم

سونیا گاندھی

خانقاہ رحمانی، مونگیر

جناب مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب کا حادثہ رحلت علمی دنیا کا بڑا سانحہ ہے، انہوں نے حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مسعود علیؒ، مولانا شاہ معین الدین صاحبؒ اور محترم سید صباح الدین عبدالرحمان صاحبؒ کی وراثت کی حفاظت میں اپنی پوری توانائی صرف کردی، ان بزرگوں کی روایت کو زندہ رکھا، آخر دم تک سرگرم سفر رہے اور سفر کے دوران وہ مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ وابقاکم اللہ زخرا للاسلام والمسلمین۔

مرحوم محترم کی نظر شفقت مجھ پر بھی تھی، جس کا احساس زندہ اور جس کے کھونے کا غم تازہ ہے، یہ صدمہ میرے لیے، خانقاہ رحمانی اور جامعہ رحمانی کے لیے اپنا صدمہ ہے، جیسے کوئی گھر کا فرد اٹھ جائے یا ادارہ کا فرد چلا جائے، اس حادثہ پر ہم سب آپ کے اور ادارہ کے شریک غم ہیں، اللہ تعالیٰ شبلی کے چمن کی آبیاری کا نظم فرمائے اور آپ لوگوں کو دارالمصنفین کا امین اور اس کے اسلاف کا پرتو بنائے۔ (آمین)

آپ جانتے ہیں کہ میں دارالمصنفین کے لیے فکرمند رہا ہوں، افسوس ہے کہ اب تک کوئی عملی شکل نہ بن سکی اور کچھ ہوسکا تو مجھے اس کا صدمہ رہ جائے گا کہ وہ میری کاوش کے نتائج نہ دیکھ سکے، خدا کرے، ہم سب مل کر اس چمنستان کی حفاظت وترقی کی خدمت انجام دے سکیں اور جب خدائے شریک کے دربار میں حاضری ہو تو ہم سبھوں کی خدمات قبول ہوں اور سر جھکا کر بارگاہ الٰہی میں کہہ سکیں، نحن خیر خلف لخیر سلف۔

والسلام

محمد ولی رحمانی

۰۸/۲/۳

ابراہیم منزل، پاٹا نالہ

لکھنؤ-۳

۲۰۰۸/۲/۲۱ء

برادر گرامی جناب مولانا عمیر الصدیق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پہلی مرتبہ شرف تخاطب اس وجہ سے حاصل کررہا ہوں کہ منسلکہ مضمون "مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم" پر ہے اور مولانا کی نسبت سے اس کی اشاعت "معارف" میں ہوجانا میرے خیال میں سب سے بہتر ہوگا۔

مولانا مرحوم کو مجھ سے بھی تعلق تھا اور ان کی ناگہاں موت نے مجھے بھی متاثر کیا، ان کے ورثا اور افراد خاندان کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں کہ براہ راست ان سے تعزیت کرپاتا، دارالمصنفین کے موجودہ کارگزار لوگوں میں مولانا کے بعد ایک آپ ہی کا نام مانوس ہے، اگرچہ غالباً شرف ملاقات وتخاطب نہیں حاصل ہوسکا ہے؟

میں نے مولانا مرحوم کے تعلق سے چند تاثراتی سطریں "البدر" میں اشاعت کے خیال سے لکھنا شروع کیں، دوران تحریر ہی خیال آیا کہ اگر اس کی اشاعت "معارف" میں ہوجائے تو مرحوم کے پورے حلقہ تک میرے تعلق کی بات پہنچ کر میرے لیے ذریعہ سعادت ہوگی۔

اگر یہ تحریر "معارف" میں اشاعت کے لائق قرار پائے تو قریبی اشاعت میں اسے شامل کرکے ممنون کریں، مزید کرم یہ ہو کہ ایک کارڈ سے اطلاع دے دیں کہ اس کی "معارف" میں اشاعت ہوسکے گی یا نہیں؟ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ برادرانہ کرم فرمائی ہوگی۔

والسلام

عبدالعلی فاروقی

۷۳ - پھول والان باسمہ تعالیٰ

بریلی (یوپی) ۲۴۳۰۰۳

مورخہ ۸/فروری ۲۰۰۸ء

محب مکرم

السلام علیکم

مجھے مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی وفات کی خبر ۲/فروری بہ وقت شب فون پر مل گئی تھی، مجھے خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، وہ علم وفضل کے ساتھ حسن اخلاق کا نمونہ تھے، میرا ان سے ۳۳ سال مکاتبت کا سلسلہ قائم رہا اور رام پور رضا لائبریری رام پور کے سمینار میں ملاقات کا موقع بھی ملا، یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ یادگار سلف تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

بہ وجوہ خط کے بھیجنے میں تاخیر ہوگئی، معذرت خواہ ہوں

احقر العباد

سید لطیف حسین ادیب

دینی تعلیمی کونسل

عارف آشیانہ چوک

لکھنؤ - ۳

۱۳/۲/۲۰۰۸ء

مکرمی ومحترمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کئی روز کے بعد آپ کو چند سطریں لکھنے کی ہمت کر رہا ہوں، میں اپنی کیفیت سے آپ کی کیفیت کا اندازہ کرتا ہوں، پلک جھپکتے ہمارے مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب رخصت

ہوگئے، خود تو اللہ کے حضور میں یقیناً سرخ رو ہوں گے لیکن اپنے پیچھے معاملات ومسائل کے علاوہ اپنے رفقائے کار کی تقویت اور دارالمصنفین کی عظمت رفتہ کی برقراری اور استواری کے لیے ایک بڑا سوالیہ نشان چھوڑ گئے ؎

وہ وصیت کرسکا کوئی نہ وعدہ لے سکا

اس نے سوچا بھی نہیں تھا حادثہ ہوجائے گا

بلا مبالغہ ہم لوگ ایک بڑے حادثہ سے دوچار ہوگئے ہیں، مشیت کی کارفرمائی کے آگے گردن جھکی ہے، دل پریشان اور عقل حیران ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا اپنے دین کا اور اپنے نظام عالم کا نگہبان ہے، میں تو دور ہوں لیکن تصورات کی آنکھوں سے اس منجدھار کو دیکھ رہا ہوں جس کے ہچکولے آپ کو چین نہیں لینے دے رہے ہوں گے، سوچتا ہوں تعزیت آپ سے کروں، دارالمصنفین کے شب وروز اور در ودیوار سے کروں، کتب خانے کی کتابوں سے کروں، معارف کے صفحات سے کروں، مسجد کے منبر ومحراب سے کروں، افراد خاندان اور ان کے اپنے پس ماندگان سے کروں یا خود اپنے آپ سے کروں۔

مولانا شاہ معین الدین صاحبؒ سے لے کر مولانا ضیاء الدین صاحبؒ تک دارالمصنفین کی علمی کہکشاں میری نظر میں ہے، خدا کرے وہ اس حادثہ کے بعد بھی روشن اور تابناک رہے اور دارالمصنفین کو کوئی بہتر نعم البدل میسر آئے، آپ کے سر پر ذمہ داریوں کا بوجھ بہت بڑھ گیا ہے، دارالمصنفین کا طرۂ امتیاز یہ بھی رہا ہے کہ اس نے قلم کے دھنی پیدا کیے ہیں اور الحمد للہ آپ کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہے اور مستقبل میں ممکن ہے کہ قدرت کی طرف سے آپ کا بوجھ بڑھا دیا جائے، اس لیے کہ کسی کا بوجھ اس کی وسعت سے زیادہ نہیں ہوتا، آپ کے آنسو تھم جائیں اور دل ٹھہر جائے تو مزید کچھ عرض کروں گا اور آپ کی چند سطروں کا منتظر بھی رہوں گا، کچھ تفصیل ضرور لکھیے۔

والسلام احقر

مسعود الحسن عثمانی

فلیٹ ۲۷، چوتھی منزل
بائی کلہ، فروٹ مارکیٹ
ممبئی ۴۰۰۰۲۷-
۲؍فروری ۲۰۰۸ء

برادرم مکرم مولانا حافظ عمیر الصدیق ندوی صاحب

سلام مسنون

آج صبح عزیزی عرفان نے حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب کے سانحۂ ارتحال کی خبر دی، آنکھیں نم ہوگئیں، آپ جانتے ہیں کہ میں اعظم گڈھ آتا تھا تو گھنٹہ دو گھنٹہ جو بھی وقت ہوتا تھا آپ حضرات کے ساتھ گزارتا تھا، سسرال میں قیام تو محض بہانہ تھا، اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ مولانا کا سانحۂ ارتحال دار المصنفین اور دنیائے علم وادب کے لیے ہی نہیں ذاتی طور پر میرے لیے بھی نقصانِ عظیم ہے۔

دل سے آواز آرہی ہے کہ اللہ ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرے گا۔

شمیم طارق

سکٹر ۱۴، نوی ممبئی
۵؍فروری ۲۰۰۸ء

برادرم محترم

السلام علیکم

امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے، مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی حادثاتی موت دل کو تار تار کرگئی، سچی بات تو یہ ہے کہ دل یہ ماننے کو تیار نہیں ہورہا ہے کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے لیکن کیا کیا جائے، سچائی تو یہی ہے کہ اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، ان کے انتقال سے علم و

ادب کی دنیا کا جو نقصان ہوا ہے وہ تو اپنی جگہ پر ہے، لیکن دار المصنفین کے لیے تو ان کی وفات بجلی بن کر گری ہے، اللہ آپ کو اور ادارے کے دوسرے لوگوں کو صبر وتحمل کی طاقت عطا کرے، نومبر میں جب میں اعظم گڈھ گیا تھا تو شبلی اکیڈمی میں ان سے ملاقات ہوئی تھی، کیا معلوم تھا کہ ان سے میری یہ آخری ملاقات ہے، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہوں، اللہ انہیں کروٹ کروٹ سکون عطا کرے۔

سوگوار
محمد ایوب واقف

طارق صاحب کو میری تعزیت پہنچادیں، عنایت ہوگی۔

جلگاؤں-
۹؍فروری ۲۰۰۸ء

گرامی قدر ناظم اعلا دار المصنفین، شبلی منزل، اعظم گڈھ یوپی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ممبئی سے شائع ہونے والے اخبار روزنامہ "اردو ٹائمز" میں مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی کے کار حادثہ میں انتقال کی خبر پڑھ کر دل ودماغ کو زبردست جھٹکا لگا۔

موصوف سے ہماری رفاقت اور مراسم بڑے پرانے تھے، ۱۹۵۷ء میں جب وہ نئے نئے دار المصنفین سے وابستہ ہوئے تھے تو ان کا عارضی قیام وطعام اعظم گڈھ شہر کے محلہ باز بہادر میں ہمارے ساتھ تھا، قریب ایک سال تک وہ ہمارے ساتھ قیام پذیر رہے، کالج کی تعلیم کے بعد جب میں جلگاؤں چلا آیا تب بھی وقتاً فوقتاً سلام و پیام اور خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، تین چار سال قبل ایک پروگرام کے سلسلہ میں وہ جلگاؤں آئے تھے تو غریب خانہ پر بھی تشریف لائے تھے اور بہت دیر تک پرانی باتوں اور یادوں کا ذکر کرتے رہے، چند ماہ قبل اپنی ایک کتاب ان کو بھیجی تھی تو پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا اور "معارف" میں تبصرہ کا وعدہ کیا تھا۔

اخبار میں ان کی المناک موت کی خبر پڑھ کر انتہائی رنج وافسوس ہوا، مولانا موصوف فطرتاً خاموش طبع اور سادگی پسند تھے، مگر علم واخلاق اور خلوص ومحبت کے پیکر تھے، قلم وقرطاس ان

کا اوڑھنا بچھونا تھا، علم و ادب اور دین کی خدمت کرتے ہوئے وہ اپنے رفیق اعلا سے جا ملے، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں، خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف فرما کر ان کے حسنات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلا مقام نصیب کرے، نیز ان کے پس ماندگان، لواحقین و متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین)

غم گسار

فاروق اعظمی

نوٹ: میرے یہ تعزیتی کلمات مولانا مرحوم کی اہلیہ محترمہ تک پہنچا دیے جائیں۔

حیدرآباد

۰۸/۲/۳

جناب

بڑے افسوس کے ساتھ آج کے مقامی اخبار سے جناب ضیاء الدین اصلاحی صاحب کی بے وقت موت کی خبر ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امریکہ میں مرحوم کا خط ملا تھا بہت خلوص و محبت سے مجھے مخاطب کیا تھا، حیدرآباد آنے کے بعد میں نے دوبار موصوف سے بات کرنے کی کوشش کی، افسوس کہ فون پر رابطہ نہ ہوسکا، کل ہی ان کے نام خط روانہ کیا تھا۔

امریکہ میں میرے نام آیا ہوا خط ان کا آخری خط رہا، اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آپ سب کے دکھ میں میں بھی برابر شریک ہوں۔

شریک غم

عطاء اللہ

۰۸/۲/۳

باسمہ تعالیٰ

کاشانۂ ادب، سکھادیوراج،
پوسٹ بسواریا، وایا لوریا،
مغربی چمپارن (بہار) ۸۴۵۴۵۳۔
۲۰۰۸/۲/۱۰ء

محترمی، السلام علیکم

روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ کے ذریعہ یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ ۲/فروری ۰۸ کو ایک سڑک حادثے میں حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ جیسے بالغ نظر عالم دین، عظیم دانش ور و محقق، بے بدل ادیب و انشا پرداز، مایۂ ناز مصنف اور غم خوار ملت کا سانحۂ ارتحال کچھ کم باعث رنج و ملال نہیں، اس پر مستزاد کہ وہ دارالمصنفین جیسے عالمی شہرت کے حامل ادارے کے سربراہ تھے، اس لیے ان کی وفات حسرت آیات کا غم اور سوا ہوگیا ہے۔

دارالمصنفین اور اس کے علمی ترجمان رسالہ "معارف" سے راقم الحروف کو ۱۹۸۱ء سے والہانہ روابط ہیں، اس ۲۷/سال کی مدت میں راقم کی زیادہ تر غزلیں مولانا اصلاحی کے دور ادارت میں معارف میں شائع ہوئیں، ان کے علاوہ مولانا مرحوم ناچیز کے مضامین اور خطوط بھی شائع کرتے رہے، اس طرح معارف اور معارف کے مدیر محترم سے ناچیز کا تعلق بہت استوار رہا۔

۱/۲/۳/دسمبر ۱۹۸۴ کو بہار اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ پر پٹنہ میں ایک باوقار سمینار کا انعقاد ہوا تھا، جس میں سید صباح الدین عبدالرحمانؒ اور ان کے دیگر رفقا کے ہم راہ مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ بھی شرکت کی غرض سے پٹنہ تشریف لائے تھے، خدا بخش لائبریری کے قرب و جوار میں ایک ہوٹل میں ان حضرات کا قیام تھا، اسی ہوٹل میں مولانا اصلاحیؒ سے میری پہلی ملاقات ہوئی، بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور دیر تک گفتگو کی۔

مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبہ عربی کی طرف سے ۲۳، ۲۴/فروری ۲۰۰۰ء کو "مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سمینار"، مسلم یونی ورسٹی میں منعقد ہوا تھا، اسی سمینار کے موقع پر میری دوسری ملاقات مولانا اصلاحی صاحبؒ سے مسلم یونی ورسٹی کے مہمان خانے میں ہوئی، آخری اجلاس کی کارروائی مولانا اصلاحی صاحبؒ کے پہلو میں بیٹھ کر سننے کا موقع ملا، سمینار کی آخری نشست میں ناچیز نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ پر اپنے منظوم تاثرات پیش کیے تو مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحبؒ نے اپنے اختتامی خطاب میں سمینار کے مقالات اور کارروائی پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے اس نظم پر کھل کر داد دی اور بعد میں اس نظم کو "معارف" میں شائع بھی کیا۔

سمینار کے اختتام کے بعد مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحبؒ نے مسلم یونی ورسٹی کے

مہمان خانے میں ۲۵ رفروری کو بھی قیام فرمایا، ۲۵ رفروری ۲۰۰۰ء کو بھی ان سے ملاقات ہوئی، بڑی محبت سے پیش آئے اور بے تکلف ہو کر دیر تک اپنی گل افشانی گفتار سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا اور ملی مسائل پر اظہار خیال فرمایا، اس کے بعد مولانا مرحوم سے ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن مراسلت کا سلسلہ نومبر ۲۰۰۷ء تک جاری رہا۔

حج بیت اللہ کے لیے روانگی سے قبل مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ میرے نام اپنے مکتوب میں رقم طراز ہیں:

"آپ کا والا نامہ اور منسلکہ رباعیاں موصول ہوئیں، شکریہ! گرامی نامے سے گرتی ہوئی صحت کا حال معلوم کر کے بہت افسوس ہوا، خدا آپ کو صحت یاب کرے، آمین۔

اس پر مستزاد بیٹوں کی خبر سن کر بھی تکلیف ہوئی، اس عمر میں بیماری اور بیٹوں کی خودسری سے آپ کو جو صدمہ ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور بچوں کے دلوں کو موڑ دے اور انہیں سعادت و ہدایت بخشے، آمین۔

عید بعد میں بھی بیمار ہو گیا تھا، بیماری میں کھانے کی خواہش اور رغبت بالکل ختم ہو گئی تھی، اس کی وجہ سے ہفتوں ضعف و اضمحلال رہا، اب ٹھیک ہو گیا ہوں مگر مداخل کا موسم ہے، اس کے اثرات سے دوچار ہوں، اسی میں حج بیت اللہ کا عزم ہے اور ان شاء اللہ ۱۹ رنومبر کو بنارس سے پرواز ہے، اہلیہ بھی ساتھ ہیں اس لیے اور بھی زحمت ہے، دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ حج مبرور نصیب کرے اور سفر کی صعوبتیں آسان کرے اور بہ خیریت واپس لائے!

دو مہینے کا معارف مرتب کر کے جا رہا ہوں، آپ کی رباعیات بھی دے دیا ہے، ان شاء اللہ دسمبر یا جنوری میں شائع ہو جائیں گی۔

اسی ادھیڑ بن میں آپ کے والا نامہ کا جواب دینے میں تاخیر ہو گئی، امید کہ معاف فرمائیں گے"۔

کیا خبر تھی کہ حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحبؒ کا یہ مکتوب میرے نام ان کا آخری مکتوب ہوگا اور حج بیت اللہ کے سفر سے واپس آ کر وہ کچھ ہی دنوں کے بعد اپنے مولائے حقیقی کی آغوش رحمت میں چلے جائیں گے۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ بڑے وسیع الظرف، صاف گو، بے باک، روشن صفات اور دور اندیش عالم و دانشور تھے، تصنع اور خودنمائی ان میں بالکل نہیں تھی، بڑی خندہ پیشانی سے ملتے، ان کی شخصیت کی طرح ان کا اسلوب تحریر بھی دل کش و دل آمیز تھا، انداز خطابت بھی بڑا موثر اور نرالا تھا، جماعتی اور گروہی تعصبات سے الگ تھلگ رہ کر علمی و تحقیقی خدمات انجام دینا، دبستان شبلی کے ارباب فکر و نظر کا نمایاں وصف ہے، یہ وصف مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔

۱۸ رنومبر ۱۹۸۷ء کو سید صباح الدین عبدالرحمانؒ کا انتقال بھی ایک سڑک حادثے میں ہوا تھا، سید صاحبؒ کی وفات کے بعد دارالمصنفین کی نظامت اور معارف کی ادارت کی ذمے داریاں مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ کو تفویض کی گئیں، جنوری ۱۹۸۸ء سے تادم حیات وہ معارف کے مدیر و مرتب رہے اور اپنے شذرات میں فکر و نظر کی روشنی بکھیرتے رہے، اس ۲۰ رسال کی مدت میں اپنے اسلاف کے نقوش قدم پر چل کر دارالمصنفین کو مزید ترقی دی اور معارف کے معیار کو باقی رکھا، یہ کارنامہ ان کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور جملہ پس ماندگان اور متعلقین و متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین) اور ان کے سانحۂ ارتحال سے دارالمصنفین میں جو خلا پیدا ہو گیا اس کو بھی پُر کرے، آمین۔

مبتلائے غم
وارث ریاضی

پس نوشت

منسلکہ غزل حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحبؒ کو بھیجنے والا ہی تھا کہ ان کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی، چنانچہ یہ غزل انہیں کی نذر ہے، چند اشعار ان کے سانحۂ ارتحال پر بھی نوک قلم پر آ گئے ہیں، اگر یہ غزل پسند آ جائے تو اسے معارف میں شائع کر کے شکریے کا موقع بخشا جائے۔

وارث
۱۰/۲/۰۸ء

آثار علمیہ وتاریخیہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نام اہل علم کے خطوط (۳)

(۱)

باسمہ تعالیٰ شانہ

۲۳ ررمضان المبارک ۱۴۰۴ھ
کراچی، پاکستان۔

مخدومی و معظمی دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ مورخہ ۱۴ ررمضان رہنمائی اور تقویت قلب کا باعث ہوا، فجزاکم اللہ عنی احسن الجزاء۔

مکتوب گرامی کے آخری فقرہ میں جو استفسار فرمایا گیا ہے، اس سے متعلق مجھ بے علم و عمل کا کچھ عرض کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا مگر تحت الامر اپنی فہم و یافت کا جو کچھ حاصل ہے وہ پیش خدمت ہے:

آں مخدوم نے سچ فرمایا کہ تصوف کا حاصل حضوری حق اور فنافی اللہ تک رسائی ہے، اس کم سواد کی نگاہ میں تو حضوریٔ حق ہی اصل دولت ہے جس سے دو فوائد حاصل ہوتے ہیں، ایک فنائے تام (بہ قول شیخ سعدیؒ۔ چو سلطان عزت علم بر کشد = جہاں سر بہ جیب عدم در کشد) اور دوسرے معرفت الٰہی جو مقصود المقصود ہے جیسے کہ لیعبدون کی تفسیر رئیس المفسرین عبداللہ ابن عباسؓ سے "لیعرفون" منقول ہے اور جنتیوں کے تفاوت درجات سے متعلق حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث میں حضور اکرم کا جو ارشاد "علی قدر عقلہ" وارد ہے، یہاں بھی عقل سے مراد "معرفت" ہی ہے کیوں کہ صورت عبادات اور وظائف عبادات تو پیغمبر خاتم اور آپؐ کے امتیوں میں مشترک ہیں مگر درجات کا فرق بہ لحاظ معرفت افراد ظاہر ہوگا، پس حاصل

تصوف حصول معرفت الٰہیہ ہے، جو دوام حضور سے میسر آتی ہے، اس طرح دوام حضور حق مقصود اور معرفت حق مقصود المقصود ہے۔

رہا اخلاق عالیہ اور تصوف میں فرق و امتیاز تو ابتدائی پانچ صدیوں میں صوفیائے کرام کے تصوف کے تحت خشیت الٰہی، فنائے نفس اور حصول معرفت ہی کے مسائل اور حقائق کا تذکرہ ملتا ہے، چھٹی صدی ہجری میں امام غزالیؒ نے پہلی بار تصوف کی بنیاد اور اس کا حاصل اخلاق رذیلہ کے ازالہ اور اخلاق فاضلہ کے حصول کو قرار دیا اور امام صاحب کی اس تعلیم و تلقین کا اثر صوفیا کے طبقہ پر کافی پڑا لیکن عین امام صاحب کے بعد بعض بڑی شخصیتیں ایسی پیدا ہوئیں جنہوں نے تصوف کو متقدمین ہی کے رنگ پر پیش کیا، جیسے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ و مولانا رومؒ بلکہ خود غوث الاعظمؒ و خواجہ نقشبندؒ بھی ذکر حق، فکر حق اور رضائے حق ہی کو حاصل تصوف قرار دیتے ہیں، ہمارے قریبی دور میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے طریقہ غزالیہ اور طریقہ شیخ اکبر میں بڑی خوش گوار ہم آہنگی پیدا فرمائی کہ اخلاق فاضلہ کے حصول پر بھی پورا زور دیا اور تصوف کا منتہا دوام حضوریٔ حق، فنائے نفس اور حصول معرفت الٰہی ہی کو قرار دیا، یہی اس ہیچمدان کی معلومات کا حاصل ہے، باقی تقریباً پینتیس، چالیس سالہ ادھیڑبن اور ذاتی تجربہ نے یہی بتایا کہ بغیر حضوریٔ حق کے نہ رذائل مٹتے ہیں نہ فضائل اخلاق سے قلب مزین ہوتا ہے، یوں "صورت اخلاق" کوئی adopt کرلے مگر حقیقت اخلاق (تخلقوا باخلاق اللہ اور صبغۃ اللہ) تک رسائی نہیں ہوتی اور گو صورت بھی نفع سے خالی نہیں مگر حقیقت کی برکات کہاں۔

یہاں تک راقم الحروف کی جسارت تھی، اب ذیل میں اپنے شیخ عالی مرتبتؒ کا قول نقل کرتا ہوں، مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے دریافت فرمایا تھا کہ حاصل تصوف کیا ہے تو جواباً حضرت نے تحریر فرمایا تھا:

"ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا، یہی اس طریق کا حاصل ہے اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو "نسبت" کہتے ہیں اور قرآن پاک کی زبان میں اس کی تعبیر یحبہم و یحبونہ اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے لفظوں میں کی گئی ہے۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ،ان ہی
کے لیے نوید بشارت ہے''۔

معذرت خواہ ہوں کہ ادھر ہفتہ بھر سے علالت کی وجہ سے طبیعت میں اضمحلال ہے،جس
کا اثر تحریر پر یقیناً پڑا ہوگا،اپنے لیے حصول حضوری ومعرفت اور حسن خاتمہ کی دعا کا ملتجی ہوں۔

والسلام مع الاکرام
عاجز وقاصر
غلام محمد کان اللہ لہ

(۲)

قادریہ نشیمن،ترپ بازار،
بلدہ،حیدرآباد
۴/۱۲/۱۹۸۹ء

استاد محترم ڈاکٹر صاحب دام عنایتکم
تسلیم

امید کہ آں محترم بہ خیریت ہوں گے، چند ہفتے پہلے ایک عنایت نامہ وصول ہوا تھا،
شکریہ،لیکن سے ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

عزیزی احمد عطاء اللہ سلمہ مع سعیدہ بیگم مدراس گئے ہوئے تھے، واپسی پر انہوں نے
بتلایا کہ نظام گزٹ کا وہ پرچہ جس کی آں محترم نے شعبہ دینیات کی تاریخ کے سلسلہ میں نشان
دہی کی تھی، اس کا پتہ نہیں ہے۔

میری صحت پھر سے خراب رہی، میلاد کی محفلیں سابق میں مرتضی مسکن کوچے دادے
صاحب میں ہوا کرتے تھے، اب محفلوں کے ساتھ دعوتیں بھی ہوتی ہیں، برادرم محمد عتیق صاحب کا
دو منزلہ مکان قدیم ملک پیٹ میں ہے تو برادرم ڈاکٹر ظہیر الدین ہاشمی کا مکان سری رسالہ سے
آگے تالاب مان صاحب میں ہے پھر تقریریں بھی یہیں جو ٹیپ ریکارڈ کی گئیں، تاکہ امریکہ
وغیرہ روانہ کی جائیں۔

اس دوران دوسرا عنایت نامہ بھی آیا، بے حد شکریہ، آج صحت کچھ ٹھیک ہوئی ہے تو یہ
عریضہ ارسال خدمت ہے، ہنوز لکڑی کے سہارے یا دیوار پکڑ کر چلتا ہوں۔

آں محترم نے ڈاکٹر صاحب (عبدالخالق صاحب) کے متعلق اطلاع دی ہے کہ وہ
عنقریب پیرس آنے والے ہیں مصحف عثمانی کے سلسلے میں، ایک بڑا کام ہو رہا ہے، عنقریب
یہاں بھی ٹائپ کے حروف میں انشاء اللہ تفسیر زید بن علی بن امام حسینؓ کی طباعت شروع ہوگی،
محمد حمید اللہ لٹریری ٹرسٹ میں اب تک ۳۶ ہزار جمع ہو چکے ہیں۔

مظہر ممتاز صاحب سے میں بالکل واقف نہیں ہوں، ایک عرصہ قبل ان کا ایک خط آیا تھا
اب مجھے یاد بھی نہیں رہا کہ میں نے ان کے خط کا جواب بھی دیا کہ نہیں، میرے کالج کے عربی
میں ہم جماعت ڈاکٹر حمید شطاری نے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے لیے قرآن کے اردو تراجم وتفاسیر
پر کام کیا تھا اور مقالہ طبع ہو چکا ہے۔

''تذکرۂ حمید'' کا کام عرصہ سے بند ہے، اب حسب الحکم کام روک دیا جاتا ہے، گو یہ
کوئی ''گل بکاؤلی'' یا شیریں فرہاد یا زار روس کے مرشد راس پوٹن کی داستان نہیں تھی، غرض میں
کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو استاد محترم کو ناگوار خاطر گزرے۔

شکری کی فرانسی کتاب اردو ترجمہ ریاستی حکومت کے اردو اکاڈمی کی امداد سے طبع ہو رہی
ہے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف، سرورق ہنوز طبع نہیں ہوا ہے، ڈاکٹر غوث صاحب کی
نگرانی میں آں محترم کے مسودہ کو سیف الدین حسیب صاحب ایل ایل بی (ابن مولوی عبدالسلام
صاحب) نے ٹائپ کیا تھا، تفصیل معلوم کرکے اطلاع دوں گا۔

والسلام، فقط
مخلص، دعاؤں کا طالب
محمد یوسف الدین

(۳)

۷۸۶

مدیر ''البلاغ'' واستاذ حدیث،
دارالعلوم کراچی۔
۲۸/شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ

مخدومی ومحترمی جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب، دامت الطافہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے کہ مزاج گرامی بہ عافیت تمام ہوں، آمین۔

جناب حسن عسکری صاحب نے آپ کا ایک مکتوب (مورخہ ۲۹؍جمادی الآخرہ ۹۷ھ) احقر کو جواب لکھنے کے لیے دیا تھا، مگر مجھ سے غفلت ہوئی کہ وہ خط بیگ میں پڑا رہ گیا اور جواب دینا ذہن سے نکل گیا، آج انہوں نے یاد دلایا تو یاد آیا، اب معذرت کے ساتھ سوالات کے جواب حاضر ہیں:

۱- فانڈر کے حالات احقر کو کہیں دست یاب نہیں ہوئے، ہندوستانی مشنریوں کی تاریخ پر ایک کتاب غالباً کلکتے سے شائع شدہ کراچی کی ایک لائبریری میں دیکھی تھی جس میں صرف اتنا ذکر تھا کہ فانڈر ایک سرگرم مبلغ تھے، اس سے زیادہ تذکرہ احقر کے علم میں نہیں ہے۔

۲- فانڈر کی کتابوں میں سے "میزان الحق" احقر کے پاس ہے، یہ اردو زبان میں ہے اور اس کے کئی ایڈیشن ہندوستان میں چھپے ہیں اور اب نایاب ہے، باقی کتابیں یعنی "حل الاشکال"، "مفتاح الاسرار" اور "طریق الحیوٰۃ" نہ احقر نے دیکھی ہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ کون سی زبان میں ہیں؟

۳- "ایک مجاہد معمار" مدرسہ صولتیہ حارۃ الباب، مکۃ المکرمۃ سے مل سکتی ہے اور مولاناؒ کے تذکرے پر ایک تازہ کتاب مولانا امداد صابری کی "آثار رحمت" کے نام سے دہلی سے شائع ہوئی اور ہندوستان میں عام طور سے مل رہی ہے۔

"اظہار الحق" کے ترکی ترجمے کا نسخہ اگر ہم یہاں حاصل کرنا چاہیں تو اس کا کیا طریقہ ہوگا؟ مطلع فرمائیں۔

آخر میں ایک گزارش اپنے مطلب کی ہے، وہ یہ کہ ہم والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ پر "البلاغ" کا ایک خاص نمبر نکال رہے ہیں اور ان شاء اللہ یہ ایک وقیع نمبر ہوگا، جناب سے گزارش یہ ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے تاثرات اس نمبر کے لیے ارسال فرمادیں، امید ہے کہ "البلاغ" پر یہ کرم ضرور فرمائیں گے۔

والسلام
احقر
محمد تقی عثمانی
۲۸/۸/۹۷ھ

(۴)

دار العلوم
کراچی-۱۴
۷۸۶

مخدومی ومحترمی جناب ڈاکٹر صاحب، دامت الطافہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوں، آمین، کافی دنوں سے عریضہ تحریر کرنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن خیال ہوا کہ آپ ملیشیا میں ہوں گے، اب معلوم ہوا کہ آپ واپس تشریف لے آئے ہیں، اس لیے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے۔

(۱)- اظہار الحق کے فرنگی ناموں کا اشاریہ جو جناب نے مرتب فرمانا شروع کیا تھا، نیز فرانسیسی مترجم کے مقدمہ کا ترجمہ، وہ کس مرحلے میں ہے۔

(۲)- آج کل علوم قرآن پر ایک کتاب احقر کے زیر قلم ہے، اس میں مندرجہ ذیل امور تحقیق طلب ہیں، اگر جناب کو ان کی تحقیق ہو یا تحقیق فرماسکیں تو ان کی اطلاع احقر کے لیے باعث صد ممنونیت ہوگی:

(الف) احقر کو مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ قرآن کریم کے رکوعات کس نے کس دور میں قائم کیے ہیں؟ نیز تیس پاروں پر کس نے تقسیم کیا ہے؟ علوم قرآن کی متداول کتابوں میں احقر کو اس کا جواب نہیں مل سکا۔

(ب) بیشتر رموز اوقاف تو علامہ سجاوندیؒ نے وضع کیے ہیں اور ان کی تشریح بھی قراآت وتجوید کی کتابوں میں مفصل مل جاتی ہے لیکن وقف منزل اور وقف غفران جو اکثر مصاحف کے حاشیوں پر لکھا ہوتا ہے، اس کی نہ تشریح معلوم ہوسکی اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ ان کا

واضع کون ہے؟ نیز وقف النبی کا مطلب تو واضح ہے لیکن یہ بات کہ ان اوقاف کی تعیین کس بنیاد پر ہوئی ہے؟ اس کا پتہ نہیں چل سکا۔

(۳)- بہت سے مستشرقین نے یہ اعتراض کیا ہے اور یہ برٹانیکا کے مقالہ "قرآن" میں بھی مذکور ہے کہ قرآن میں ہامان کو فرعون کا وزیر قرار دیا ہے، حالاں کہ ہامان نام کا کوئی وزیر فرعون کے ہاں نہیں تھا بلکہ یہ سائرس کے وزیر کا نام تھا، اسی طرح قرآن نے حضرت مریم کو عمران کی بیٹی قرار دیا ہے، حالاں کہ ان کے والد کا نام عمران نہیں تھا بلکہ موسیٰ کی بہن مریم بنت عمران تھیں، مستشرقین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ بات (معاذ اللہ) زبانی روایات میں اشتباہ کی بنا پر پیدا ہوئی ہے۔

یوں تو ہمارا ایمان ہے کہ قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہی برحق ہے اور غیر مستند تواریخ کو اس کے مقابلے پر پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر تاریخی طور پر بھی قرآن کریم کے بیان کی تصدیق ہو سکے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور غیر مسلموں کے لیے زیادہ قابل اعتماد۔

شامت اعمال سے یہاں کراچی میں قدیم تواریخ کالعدم ہیں، جن سے تحقیق کی جا سکے، اگر آنجناب اس بارے میں اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں تو احقر کے لیے باعث صد ممنونیت ہوگا، ہوسکتا ہے کہ یوسیفس وغیرہ جیسے مورخین کے یہاں اس کا کچھ پتہ نشان مل سکے، اگر ان امور کی تحقیق میں زیادہ وقت لگنے کا امکان ہو تو آخری سوال کے جواب کو مقدم فرمالیں اور اس سے پہلے سوالات کو موخر، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی صحت میں اتار چڑھاؤ چلتا رہتا ہے، آپ کی خدمت میں سلام لکھواتے ہیں۔

والسلام

احقر

محمد تقی عثمانی

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر

سہ ماہی خبر نامہ: مدیر: مولانا سید نظام الدین، صفحات: ۱۲۸، کاغذ و طباعت عمدہ، قیمت درج نہیں، پتہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، ۷۶A/۱، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵۔

انسان کی کامیابی و کامرانی شریعت اسلامی پر عمل پیرا ہونے میں ہے، اسلامی معاشرے کے ہر فرد اور ہر جماعت سے اسلام کا یہی مطالبہ ہے کہ وہ شریعت کے قوانین و احکام کو اپنی زندگی میں داخل و نافذ کرے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی اس خصوصی اشاعت کا مقصد یہی ہے، اس میں مسلمانوں سے اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی درخواست کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر عمل کرنے اور کرانے کی جدوجہد کریں، بورڈ کے ارکان سے خاص طور پر کہا گیا ہے کہ وہ افراد کی ترتیب اور مردم سازی کا بھی کام انجام دیں، نیز مستقبل کی منصوبہ بندی کے لیے جو وسائل درکار ہوں انہیں اختیار کریں اور قوم و ملت میں اتحاد قائم کرنے کی بھرپور کوشش کریں، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے پیغام میں فرماتے ہیں "بورڈ کی طرف سے اسی لیے تحفظ شریعت کے مطالبہ کے ساتھ اس کے ماننے والوں کی زندگیوں میں اس کو جاری وساری کرنے کی بھی تلقین کی جاتی ہے، جس کے لیے اصلاح معاشرہ کا شعبہ قائم ہے، ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ اس طرف توجہ کرے............ اسی میں ان کی عزت اور سربلندی مضمر ہے۔

اس شمارہ میں متنوع موضوعات پر تقریباً ڈیڑھ درجن اہم اور وقیع مضامین ہیں جن

میں دو مضامین انگریزی زبان میں ہیں، سب سے پہلا مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی کا ''کامیابی کی راہ اسلامی شریعت پر عمل'' کے عنوان سے ہے، جو مختصر ہونے کے باوجود کافی وقیع ہے، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمان اعظمی ندوی نے عالم اسلام پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے اثرات پر روشنی ڈالی ہے، دیگر مضامین میں مختلف علاقوں کے مسلمانوں کی تعلیم، ان کی سماجی و اقتصادی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے، بالخصوص خواتین کے تعلیمی، سماجی اور اقتصادی صورت حال کا جائزہ متعدد مضامین میں ہے، ان کے علاوہ جمہوری اسلامی ایران کا آئین اور عائلی قوانین (علامہ سید عقیل الغروی)، ہندوستان میں اصلاح معاشرہ کی تحریکات (محمد اسعد قاسمی)، عورت اور معیشت (مولانا سید جلال الدین عمری)، فتوی اور مفتی ضرورت اور تقاضے (مفتی محمد مشتاق تجاروی)، تقوی معاشرہ کی برائیوں کو دور کرنے کا موثر ذریعہ (مولانا اسرار الحق قاسمی)، وقت کی زبان اور اسلوب کی ضرورت (غطریف شہباز ندوی)، مثبت قوت فکر و عمل کی ضرورت (صفی اختر) اور محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کے انگریزی زبان میں دو مضامین ''قوانین اسلام کی ترجمانی اور ان کا نفاذ'' اور ''دستور ہند اور یکساں سول کوڈ'' مختصر ہونے کے باوجود بہترین اور وقیع مضامین ہیں جو رسالہ کو مفید و کارآمد بنانے میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، مولانا سید جلال الدین عمری، اپنے مضمون ''عورت اور معیشت'' میں لکھتے ہیں، ''اس میں شک نہیں کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر اور خاندان ہی ہے اور اسے معاشی مصروفیت سے اسی لیے آزاد رکھا گیا ہے کہ وہ خاندان کی بقا اور ترقی پر اپنا وقت صرف کر سکے''۔

محمد وقار الدین لطیفی ندوی نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جون ۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۶ء کی مفصل رپورٹ پیش کی ہے جس میں بورڈ کے مسائل، اس کے مقاصد و افادیت، اس کی کارکردگی، طریقہ کار، تجاویز کی تفصیل، ماڈل نکاح نامہ کی تفصیل اور بورڈ کے دائرہ کار وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے، بورڈ کے زیر اہتمام منعقدہ متعدد اجلاسوں کی مفصل رپورٹ بھی پیش کی ہے جس سے اس کے مقاصد، کارکردگی اور اس کی افادیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے یہ عام مسلمانوں کو اس کے زیر اثر لانے کے لیے ممد و معاون ثابت ہوگی۔

سہ ماہی المجیب (مولانا عبداللہ عباس نمبر): مدیر: ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری، صفحات: ۳۰۸، کاغذ و طباعت عمدہ، قیمت خصوصی شمارہ: ۵۰ روپے، عام شمارہ: ۱۵ روپے، زر سالانہ: ۶۰ روپے، پتہ: ایڈیٹر ''المجیب'' دار الاشاعت، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، ۸۰۱۵۰۵ (بہار)۔

ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی پھلواری شریف پٹنہ کے ایک مشہور و معزز علمی و دینی خانوادہ کے چشم و چراغ، ممتاز اور نام ور عالم تھے، وہ صاحب طرز ادیب اور اپنے دور کی ممتاز علمی و ادبی ہستی کے ساتھ ورع و تقوی سے مزین شخصیت کے مالک تھے، وہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت والد محترم اور بڑے بھائی کے زیر نگرانی ہوئی، مدرسہ قدیمہ فرنگی محل اور دار العلوم ندوۃ العلما میں تعلیم حاصل کی، لندن یونی ورسٹی سے ایم، اے اور پی، ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اس طرح وہ دینی اور عصری دونوں علوم کے جامع تھے، ان کے تدریسی سفر کا آغاز خود مادر درس گاہ ندوۃ العلما سے ہوا، بعد میں جامعہ ام القری (مکہ مکرمہ) میں تدریسی خدمت انجام دی، جہاں سبک دوشی کے بعد بھی تدریس سے وابستہ رہے، وہ رابطہ عالم اسلامی کے رکن اور دار العلوم ندوۃ العلما کے معتمد تعلیم رہے، وہ عربی، اردو اور انگریزی تینوں ہی زبانوں کے ماہر تھے، فارسی انہوں نے اپنے بزرگوں سے پڑھی، اسلامی علوم و فنون پر ان کی گہری نظر تھی، وہ جس طرح ماہر مدرس تھے ویسے ہی ماہر اور قابل مصنف بھی تھے، دو درجن سے زائد کتابیں سپرد قلم کیں، علوم قرآن، تفسیر، سیرت نبوی اور عربی زبان و ادب پر ان کی خاص نظر تھی، وہ ایک اچھے صحافی بھی تھے، متعدد رسائل و جرائد ان کی نگرانی میں شائع ہوئے، وہ رابطہ عالم اسلامی کے انگریزی ترجمان کے مدیر رہ چکے تھے، ''تعمیر حیات'' میں ان کے اداریے بہت شوق سے پڑھے جاتے تھے، انہوں نے دہلی سے ''ذکر و فکر'' شائع کیا جس کے مضامین بڑے معیاری اور ادبی محاسن کے جامع ہوا کرتے تھے۔

مولانا موصوف جامع کمالات تھے مگر علوم قرآن سے ان کو خاص لگاؤ اور دلچسپی تھی، وہ عام طور پر اپنی تحریروں اور گفتگوؤں میں آیات قرآنی سے استشہاد کیا کرتے تھے، قرآن کریم پر ان کی

گہری نظر تھی، اس موضوع پر انہوں نے متعدد کتابیں جیسے " کتاب النکت فی اعجاز القرآن"
کی شرح، "معانی القرآن و تطور فهمه عند العرب" اور انگریزی داں طبقہ
کے لیے قاموس الفاظ القرآن الکریم وغیرہ لکھیں، سیرت نبویؐ کے موضوع پر بھی ان کی متعدد
تالیفات ہیں، انہوں نے "عربی میں نعتیہ شاعری" لکھی جس پر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے
جامع اور وقیع مقدمہ لکھا، اس کے علاوہ ردائے رحمت کے نام سے قصیدہ بانت سعاد (کعب بن
زبیرؓ) اور قصیدہ بردہ بصیری کی نہایت عمدہ شرحیں لکھیں، سیرت نبوی کی تدوین کی ایک جامع
تاریخ اور آفتاب نبوت کی چند کرنیں - خصائل و شمائل وغیرہ ان کی نہایت عمدہ کاوشیں ہیں،
مولانا عبداللہ عباس ندوی کی تصنیفات کے علاوہ ان کے مضامین و مقالات اور اداریوں کی
فہرست طویل ہے۔

المجیب کا یہ خاص نمبر مولانا موصوف کی حیات و خدمات اور کارناموں کا عمدہ جائزہ ہے،
یہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ کا دینی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، رسالہ اور خانقاہ دونوں ہی
سے ان کے گہرے اور دیرینہ تعلقات تھے، رسالہ بارہ گوشوں میں منقسم ہے جن میں مختلف زاویوں
سے مولانا کے حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے، رسالہ میں دو درجن سے زائد مضامین
مولانا کی حیات، کمالات، خصوصیات اور تالیفات وغیرہ پر ہیں، ان کے علاوہ خود مولانا کے
مقالات، نعت و غزل اور نظمیں بھی درج ہیں، تمام مضامین اعلا اور وقیع ہیں، یہ رسالہ مولانا
موصوف کی شخصیت کے بکھرے ہوئے اوراق کو یک جا کرنے اور علم و ادب کے شیدائیوں کے
لیے بہترین تحفہ ہے۔

ششماہی علوم القرآن (قرآنی علوم بیسویں صدی میں): مرتبین: ڈاکٹر
اشتیاق احمد ظلی و ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، صفحات: ۵۳۲، کاغذ و طباعت عمدہ،
قیمت خصوصی اشاعت: ۲۰۰ روپے، زر سالانہ: ۶۰ روپے، پتہ: ادارہ علوم
القرآن، شبلی باغ (نزد ذاکر حسین ہوسٹل) دہرا، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲۔

ادارہ علوم القرآن کی خدمات بیش بہا ہیں، کم عمری کے باوجود اس نے متعدد اہم

خدمات انجام دی ہیں، بالخصوص قرآنی موضوعات پر اس کی کوششیں قابل قدر ہیں، اسی سلسلہ کی
ایک اہم کڑی اس دو روزہ سمینار کا انعقاد ہے، جس کا موضوع "قرآنی علوم بیسویں صدی میں"
تھا، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس سمینار میں پڑھے گئے مقالات کو یک جا کر کے شائع کیا
گیا ہے، تاکہ اس سے استفادہ عام اور تادیر قائم و دائم رہے اور شرکائے سمینار کے علاوہ دیگر
حضرات بھی ان مقالات سے استفادہ کر سکیں۔

یہ خصوصی شمارہ تقریباً دو درجن اہم اور بیش قیمت مقالات کا مجموعہ ہے، اس کے مہمان
خصوصی مشہور ماہر اقتصادیات اور فیصل ایوارڈ یافتہ دانش ور پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی تھے، ان
کا قیمتی مقالہ "شان نزول اور فہم قرآن" کے موضوع پر ہے، اس میں انہوں نے شان نزول کی
اہمیت کو واضح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے فہم قرآن میں آسانی ہوتی ہے، ان کے نزدیک
"شان نزول" ایک تہ در تہ تصور ہوتا ہے جس میں مختلف معلومات فراہم کی جاتی ہیں جس سے
قرآن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے"، پروفیسر موصوف نے اپنے مقالہ میں بنیادی طور پر اس سوال کہ
"کیا ہر قرآن پڑھنے والے کے لیے شان نزول کا جاننا ضروری ہے" کا تجزیہ متعدد مفسرین کے
آرا کی روشنی میں کیا ہے، کلیدی خطبہ مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ کا ہے جس میں انہوں نے نزول
قرآن سے لے کر دور جدید تک کی تاریخ رقم فرما دی ہے، انہوں نے ابتدائی دور کے مسلمانوں کا
قرآن کریم سے شغف اور آیات قرآنی کے ذریعہ تربیت و تزکیہ اور احکام و قوانین کی تعلیم و تلقین
کی وضاحت کے ساتھ ساتھ موجودہ دور تک کے خاص خاص مفسرین کی نشان دہی اور ان کے
کارناموں پر بھی اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، صدارتی کلمات میں محمد عبدالحق
انصاری نے الفاظ قرآنی کی انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے پر زور دیا، محمد رضی الاسلام ندوی نے بیسویں
صدی میں حروف مقطعات کے مباحث کو اپنا موضوع بنایا ہے، اس میں انہوں نے حروف
مقطعات کی تعریف، ان کے استعمال، معانی و مطالب اور اسرار الٰہی کی وضاحت اور تجزیہ مفسرین
کی آرا کی مدد سے کیا ہے، مولانا سلطان احمد اصلاحی نے تیسری دنیا کی اصطلاح کا تجزیہ قرآن کی
روشنی میں کیا ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں اسلام کا نظریہ واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اسلام

اور قرآن کو منظور نہیں ہے، انہوں نے اپنی باتیں نقلی و عقلی دلائل کی روشنی میں کہی ہیں، پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی نے نکاح المقت کی جدید اردو تفاسیر کی روشنی میں وضاحت فرمائی ہے، محمد اجمل اصلاحی نے ڈاکٹر عضیمہ کی کتاب ''دراسات لاسلوب القرآن الکریم'' کو اپنا موضوع بناتے ہوئے مصنف اور کتاب کا تعارف پیش کرنے کے بعد کتاب کا بہترین تجزیہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں ''ڈاکٹر محمد عبدالخالق عضیمہ کا شمار عصر حاضر کے ممتاز اور جلیل القدر علمائے نحو میں ہوتا ہے، کتاب سیبویہ کا مطالعہ اتنی بار کیا تھا کہ اس کے مباحث اور حوالے نوک زبان تھے''، فاضل مقالہ نگار کے بہ قول اس کتاب نے انہیں علمی دنیا میں غیر معمولی شہرت بخشی اور بالآخر اس پر انہیں ۱۹۸۳ء میں فیصل ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا، دیگر مقالات میں بھی اہم موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے، دیگر موضوعات یہ ہیں، ترجمہ قرآن - مسائل ومشکلات (محمد فاروق خاں)، تاویل آیات کا فراہی منہاج (محمد عمر اسلم اصلاحی)، مولانا اصلاحی کا تصور نظم قرآن اور امام فراہی (ایاز احمد اصلاحی)، دور حاضر میں تفسیر بالاشارہ (کنور محمد یوسف امین)، تفسیر المنار (جلد اول) تحلیل و تجزیہ (ابوسفیان اصلاحی)، تفسیر التحریر والتنویر - قرآنی بلاغت پر بیسویں صدی کا عظیم ترین کارنامہ (محی الدین غازی سبحانی)، چند اردو قرآنی لغات - ایک جائزہ، بیسویں صدی کے حوالہ سے (جمشید احمد ندوی)، فہم قرآن میں عصری علوم سے استفادہ (وسیم احمد)، اسلامی نظریہ کائنات وحدت مشیت و رضا (محمد ریاض کرمانی)، دہشت گردی اور قرآن کریم (عبید اللہ فہد)، ہندوستان کے چھ نمائندہ مدارس میں قرآن کی تدریس - ایک تجزیاتی مطالعہ (اشہد رفیق ندوی)، دینیات فیکلٹی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی قرآنی خدمات (محمد سعود عالم قاسمی) اور ادارہ و مجلہ علوم القرآن اور قرآنی علوم کی اشاعت (ظفر الاسلام اصلاحی) وغیرہ، یہ تمام مقالات اہم اور دور حاضر کی ضرورت کو پورا کرنے والے ہیں، آخر میں محمد راشد اصلاحی نے سمینار کی مفصل رپورٹ پیش کی ہے، یہ مجلہ قرآنی علوم پر کام کرنے والے محققین کے لیے بہترین ہدیہ ہے جس کے لیے مرتبین قابل مبارک باد ہیں۔

مجلہ آثار جدید (مولانا صفی الرحمان نمبر): مرتبین: مولانا عزیز الحق و

ماسٹر وکیل احمد انصاری، صفحات: ۲۷۸، کاغذ وطباعت عمدہ، قیمت ۱۰ روپے، زر سالانہ: ۱۰۰ روپے، پتہ: منیجر مجلہ آثار جدید، پوسٹ بکس نمبر ۳، مئو ناتھ بھنجن، ۲۷۵۱۰۱، یوپی۔

سرزمین مبارک پور نے متعدد نامور علما پیدا کیے، جنہوں نے اپنی علمی خدمات سے دنیا میں اپنا اور علاقے کا نام روشن کیا، ان میں مولانا صفی الرحمان مبارک پوری ایک اہم نام ہے، مولانا موصوف کی تمام تر تعلیم مبارک پور اور مئو میں ہوئی اور یہیں سے ان کے اندر علوم اسلامیہ کی استعداد اور مہارت پیدا ہوئی، جس کا اعتراف ہند اور عالم عرب میں بھی ہوا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ ''الرحیق المختوم'' ہے جو سعودیہ عربیہ میں منعقدہ مسابقہ سیرت کے لیے لکھا گیا ایک مضمون ہے، وہ اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا، مولانا موصوف اس کے بعد تصنیف وتالیف کے وقف ہوگئے اور ڈھائی درجن سے زیادہ کتابیں سپرد قلم کیں۔

یہ خصوصی نمبر مولانا کے علمی کارناموں کا اعتراف ہے جس میں چار درجن سے زیادہ مضامین ہیں ان کے علاوہ متعدد نظمیں بھی ہیں، ان مضامین میں مولانا موصوف کی حیات وخدمات اور خاص طور پر ان کے علمی کارناموں کا بہترین تجزیہ کیا گیا ہے، ان کی تصنیف ''الرحیق المختوم'' کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا، عبدالوہاب خلجی کا کہنا صحیح ہے کہ ''وہ ایک وسیع المطالعہ، متبحر وممتاز سلفی عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ وہ بہ یک وقت کامیاب ونکتہ سنج مدرس، زود اثر مقرر وخطیب، وسیع النظر مفکر ودانش ور، ژرف نگاہ مولف ومصنف، قوی الحافظہ محدث وفقیہ اور بیدار مغز مناظر تھے، جو ایک فرد میں انجمن کا انداز رکھتے تھے''۔

مولانا مقتدا اثری عمری نے بھی لکھا کہ ''ایسی عظیم عالمی شخصیت کی دینی وعلمی وتحقیقی خدمات جو انشاء اللہ بہ روز قیامت کا شفاعت کا باعث بنے گی، ایسے ہی لوگوں کی یاد دل ودماغ پر گہرے نقوش چھوڑ جاتی ہے''۔

ماہنامہ رفیق منزل (اخلاقیات نمبر): مرتبین: محی الدین غازی وڈاکٹر شکیل احمد، صفحات: ۲۱۶، کاغذ وطباعت عمدہ، قیمت: خصوصی اشاعت ۳۵ روپے،

فی پرچہ: ۱۰ روپے، زر سالانہ: ۱۱۰ روپے، پتہ: رفیق منزل، ۲۳۰، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر اوکھلا، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵۔

آج کی مادی اور مشینی، اخلاقی قدروں کی پامالی اور گم شدگی کا احساس بھی اب عام طور پر نہیں ہوتا، انسانیت کی اس متاع بے بہا کی قدر کے لیے موجودہ معاشرے میں شاید فرصت نہیں رہی، یہ سمجھنے کے لیے وقت نہیں رہا کہ اخلاقی عمل ظاہری طور پر تو محض بے مقصد قربانی محسوس ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ نہایت بیش قیمت اور قابل قدر عمل ہے، شعوری طور پر بامقصد عمل کو اچھے اور بہتر طریقہ سے انجام دینا ہی اخلاق ہے، اس کا تعلق انسان کی فکر اور گفتگو ہے، رسول اللہؐ نے حیا کو ایمان کا جز بتایا ہے، غیر مہذب، غیر اخلاقی اور شرم وحیا سے عاری باتیں اسی شخص سے سرزد ہوتی ہیں جس کی سرشت میں فساد اور کجی کے جراثیم سرایت کر جاتے ہیں، ایسی باتوں سے پرہیز کے لیے ضروری ہے کہ قلب وذہن کو تازہ خیالات ومحسوسات سے آباد کیا جائے۔

رفیق منزل کا یہ شمارہ اخلاقی درس پر مبنی تین درجن سے زیادہ مضامین پر مشتمل ہے، جن کا تعلق زندگی کے ہر شعبے سے ہے، شروع میں علامہ شبلی نعمانیؒ کے اس اقتباس کہ "عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح وتکمیل کی جائے" کا انتخاب قابل داد اور حسن انتخاب کا مظہر ہے، بعض دیگر عنوانات جیسے علم اخلاق مغربی اور بھارتی نقطہ نظر، قرآن وسنت میں اخلاق، اخلاقی ماڈل سائنس، ٹکنالوجی اور اخلاقی قدریں، بحث وتحقیق کی اخلاقیات، کالج لائف کی اخلاقیات، ترغیب و تحریک کے اخلاقی حدود، زبان وقلم کی اخلاقیات، نشانہ طے کیجیے، اخلاقیات کی روشنی میں وغیرہ سے موضوعات کے تنوع کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ان کے علاوہ انتظامی امور، صنعت وحرفت اور تفریحات میں اخلاقیات کے تعلق سے بھی تحریریں ہیں اور یہ سب اپنے مواد اور اسلوب دونوں لحاظ سے موثر ہیں، وقت کی ضرورت تھی کہ انسانیت کے اصل امتیاز کی جانب توجہ دلائی جائے، یہ حقیقتاً موجودہ دور کا سب سے مقدم اور سب سے اہم فرض ہے، رفیق منزل کی یہ کوشش قابل مبارک باد ہے۔

مجلہ المنار: مدیر: محمد شاہنواز عالم محمد انور عالم، صفحات: ۲۸۹، کاغذ و طباعت عمدہ، قیمت درج نہیں، پتہ: ندوۃ الطلبہ، الجامعۃ السلفیہ، بنارس۔

جامعہ سلفیہ بنارس جمعیۃ اہل حدیث کی مرکزی درس گاہ ہے، وہاں کے طلبہ کی انجمن کا یہ ترجمان ہے، یہ رسالہ متعدد موضوعات پر ڈھائی درجن سے زائد مضامین کا مجموعہ ہے، مرتب رسالہ نے اس کو متعدد عناوین کے تحت بارہ گوشوں میں منقسم کر کے مضامین کو ترتیب دیا ہے، اس میں بالترتیب علوم القرآن، علوم الحدیث، عقائد، تحقیقات، معاشیات، سیاسیات، تاریخ، تحریکات ونظریات، ادبیات، شخصیات، سائنس، ادیان وفرق اور شعر وسخن عناوین ہیں، طلبہ نے بھی اپنی کاوشات کے لیے بہترین موضوعات کا انتخاب کیا ہے جس میں قدیم وجدید اور موجودہ مسائل پر اچھی کوشش کی ہے، خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے اردو کے ساتھ عربی، ہندی اور انگریزی زبانوں میں بھی مضامین پیش کیے ہیں، یہ مضامین طلبہ کی موجودہ علمی تربیت اور ان کے اچھے مستقبل کی طرف اشارہ کرتے ہیں، البتہ آیات قرآنی میں کتابت پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، اس مجلہ کے لیے انجمن اور طلبہ قابل مبارک باد ہیں۔

سہ ماہی کاروان ادب: مرتبین: جاوید یزدانی وکوثر صدیقی، صفحات: ۱۵۲، کاغذ وطباعت معتدل، قیمت فی پرچہ: ۲۰ روپے، زر سالانہ: ۸۰ روپے، پتہ: کوثر صدیق زیب والا، A-۹-۷، گنوری مین روڈ، بھوپال ۴۶۲۰۰۱۔

شہر علم وادب بھوپال سے شائع ہونے والا یہ ادبی رسالہ اس شہر کی ادبی روایات کی توسیع ہے، مضامین اور شعری کاوشوں کے حصول اور انتخاب میں خوش ذوقی نمایاں ہے، نئے لکھنے والوں کے ساتھ مشاہیر اہل قلم کی تحریروں کی موجودگی، اساتذہ سے استفادہ کی راہ بھی آسان کرتی ہے، شمس الرحمان فاروقی کے سلسلہ وار مضمون "زبان، صرف اور روزمرہ" کی شمولیت اس کا ثبوت ہے، زبان کی صحت کی جانب اب توجہ کم ہے، رضا رام پوری کے خط میں "استفادہ حاصل کرنا" اس کی مثال ہے۔

ت، ا، ندوی

ادبیات

قطعہ سالِ وفات حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ

از:- جناب مسلم اعظمی☆

لگا کر نشترِ کاری ، ضیاء الدین اصلاحی
یہ روپوشی یہ تیاری ، ضیاءالدین اصلاحی

ادب گاہوں میں ماتم ہے ترے چپ چاپ ہونے سے
خموشی جابجا طاری ، ضیاء الدین اصلاحی

سمجھنا یا کہ سمجھانا ادب قرآن و سنت کا
اسی میں عمر تھی ساری ، ضیاءالدین اصلاحی

ہمہ تن گوش آئے تھے ہمہ تن گوش لوٹے ہیں
نہ شکوہ نا دل آزاری ، ضیاءالدین اصلاحی

جگہ فردوس ہے تیری ، شہادت مرتبہ تیرا
امینِ حرمتِ باری ، ضیاء الدین اصلاحی

۱۰۱ ۶۴۸ ۲۱۳ ۹۰۶ ۱۴۰

۲۰۰۸ء

☆ نشان امین، دلسدگار، اعظم گڑھ۔

غزل

(حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ کی نذر)

از:- جناب وارث ریاضی صاحب☆

وہ دل کہ جس میں ناز کا نشتر چبھا نہیں
شایستۂ نگاہ محبت ہوا نہیں

اس کی نظر میں ہیچ ہیں دنیا کی نعمتیں
جس دل کو غم ملا ہے اسے کیا ملا نہیں

یہ احترام حسن فروزاں ، خوشا نصیب !
دست جنوں سے عشق کا پرچم جھکا نہیں

یا رب رہے گا ماند ترا جذبۂ کرم
بندوں میں سرکشی کا اگر حوصلا نہیں

ملتی ہے آرزو سے کہیں منزل مراد ؟
دل میں اگر امنگ نہیں ، ولولا نہیں

اب چشم التفات سے ممنوں نہ کیجیے
حسن سلوک میری وفا کا صلا نہیں

آنکھیں اگرچہ مجھ سے عزیزوں نے پھیرلیں
تقدیر ہے یہی تو کسی سے گلا نہیں

یا رب مریضِ دردِ محبت کی خیر ہو
درد و الم کی جس کے جہاں میں دوا نہیں

سونی پڑی ہے علم کی محفل ضیا کے بعد
شبلی کی انجمن ہی میں کچھ غم بپا نہیں

وہ رہ نمائے علم و ہنر ، داعی اماں
وہ ترجمانِ ملتِ بیضا رہا نہیں

وراثت رواں دواں ہے نگاہوں کا کارواں
اشکوں کا سلسلہ ہے کہ جو ٹوٹتا نہیں

☆ کاشانۂ ادب سکھا (دیوراج) پوسٹ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن، بہار- ۸۴۵۴۵۳۔

بروفات مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ

ناظم دارالمصنفین، اعظم گڈھ

تاثرات: الحاج ڈاکٹر خلیل اعظمی ☆

گردش چرخ نے کی کیسی عداوت ہم سے
باوقار اہل قلم ہوگیا رخصت ہم سے

نیک دل ، سادہ ذہن ، صوفی صفت وہ دین دار
صاحب فہم و ذکا ، علم و ہنر کا شہکار
حسن اخلاق و مروت سے مزین کردار
اس کی خوبی و صفت کا ہو کہاں تک اظہار
آہ وہ اہل قلم ہوگیا رخصت ہم سے
گردش چرخ نے کی کیسی عداوت ہم سے

معتبر اس کی صحافت کا انوکھا انداز
اس کی تحریر دھڑکتے ہوئے دل کی آواز
قابل رشک تھی تحقیق میں اس کی پرواز
کشور علم کا رخشندہ وہ انشا پرداز
آہ وہ اہل قلم ہوگیا رخصت ہم سے
گردش چرخ نے کی کیسی عداوت ہم سے

دور رس اس کی نظر علمی بصیرت آگاہ
مرد حق کی تھی زمانے پہ بہت گہری نگاہ
ہاں وہ اوراق ہیں تحریر کی عظمت کے گواہ
اس کی تصنیف اور تالیف ہے اب مشعلِ راہ

☆ پورہ غلامی، اعظم گڈھ۔

مطبوعات جدیدہ

ماہنامہ مخزن اشاریہ اور ادبی خدمات: از: ڈاکٹر امتیاز ندیم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات: ۲۹۶، قیمت: ۲۵۰ روپے، پتہ: امتیاز ندیم، ڈومن پورہ امام گنج موڑ، مئوناتھ بھنجن، یوپی۔

۱۹۱۳ء میں علامہ شبلیؒ کی ایما سے محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی نے فن وار ترتیب سے کتابوں کی ایک فہرست "الفہرست" کے نام سے مرتب کی تھی، یہ اردو میں اشاریہ سازی کی خشت اول تھی، گویہ عمل اور ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں اردو میں ست رہا لیکن اردو کے بعض اہم رسائل کی اشاریہ سازی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی اور اب اس کی رفتار میں خاصا اضافہ بھی نظر آتا ہے، یہ بات بالکل درست ہے کہ اردو ادب کا بڑا سرمایہ، رسائل میں موجود ہے اور ان میں سے اکثر رسائل اب عام اردو قاری کے علم اور دست رس میں نہیں ہیں، چند بڑے رسائل مثلاً "معارف"، "برہان"، "دلگداز"، "سچ" اور "صدق" وغیرہ کے اشاریے ضرور مرتب کیے گئے لیکن عمدہ رسائل کی ایک بڑی فہرست اب بھی ایسی ہے جو اشاریے کی منتظر ہے، شیخ عبدالقادر کے رسالہ "مخزن" لاہور کا گذشتہ صدی کے آغاز سے آغاز ہوا، ۱۹۰۱ء میں یہ رسالہ اس آہنگ سے شروع ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو اس کا رنگ سب سے جدا ہو، قریب نصف صدی یعنی مئی ۱۹۵۱ء تک اس رسالے نے تسلسل اور انقطاع کے عمل سے گزرتے ہوئے اپنا وجود قائم رکھا لیکن اس کا زمانہ عروج درحقیقت اس کا دور اول ہی ہے، شیخ عبدالقادر کے بعد اس کی ادارت بدلتی رہی اور اس کا اثر اس کے مزاج اور خصوصیت پر بھی ہوا، مذہبی اور سیاسی مباحث سے اعراض اور خالص ادبی اغراض نے واقعی اس رسالے کو نایاب، خوش رنگ اور تابندہ جواہر سخن کا مخزن بنادیا، اس کی ایک خصوصیت انگریزی، فرانسیسی اور مغربی ادبیات کے بہترین مضامین کی اردو میں منتقلی بھی تھی، علامہ شبلی، مولانا محمد حسین آزاد، خواجہ حسن نظامی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، سجاد حیدر یلدرم، ظفر علی خاں، راشد الخیری جیسے نثر نگار اور داغ دہلوی، علامہ اقبال، حسرت موہانی، اکبر الہ آبادی،

فانی بدایونی، چکبست اور محروم وغیرہ بلند پایہ شعرا کے مضامین نظم ونثر سے اس رسالے کی وقعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، علامہ شبلی کا مشہور مضمون درس نظامیہ، ان کے انتقال سے عین قبل اسی رسالے میں شائع ہوا تھا، کلام جگر پر مرزا احسان بیگ کا مضمون، اہالیان دہلی ولکھنؤ کے لیے ایک خوان ادب کے عنوان سے دوقسطوں میں اسی رسالے میں ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا تھا، ایسے اہم رسالے کے مضامین اب پردۂ خفا میں ہیں، کتاب کے لائق مصنف نے اس کا اشاریہ تیار کرکے اور اس کے مضامین سے روشناس کرکے عام اردو قارئین ہی نہیں اردو تحقیق کے طلبہ اور شائقین پر احسان کیا ہے، وہ اشاریہ سازی کے فن سے واقف ہیں جس کا اندازہ ان کی تعارفی تحریر سے ہوتا ہے، انہوں نے اشاریے کی تمام سہولتیں اس کتاب میں پیش کردی ہیں، اس اشاریے کے بعد "مخزن" کے خزانوں تک رسائی کی آرزو بیدار ہوتی ہے اور یہی اس کتاب اور اس کے لائق تحسین مرتب کی کامیابی ہے، البتہ جابجا کمپوزنگ کی غلطیاں ہیں، سنین میں یہ تسامحات سنگین ہوجاتے ہیں۔

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر: از: جناب مولانا احمد رضا قادری بریلوی، مترجم: جناب مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی، قدرے بڑی تقطیع، کاغذ و کتابت وطباعت مناسب، صفحات: ۴۳۲، قیمت: درج نہیں، پتہ: رضا اکیڈمی ۲۶-کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی-۳۔

اذان خطبہ کے موقع اور محل کے متعلق امام بریلوی کا قول ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر مکروہ اور خلاف سنت ہے، بعض اور مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی علمائے فقہ وفتاوی میں موضوع بحث رہا ہے لیکن ہندوستان میں اس مسئلہ پر اظہار رائے میں شدت کا مظاہرہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ جواز، ترجیح اور کراہت کے اس مسئلہ پر ایک فریق نے مخالف پر ہتک عزت کا دعوا دائر کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، مولانا احمد رضا خاں مرحوم نے اس موضوع پر زیر نظر رسالہ مرتب کیا جس کا مخطوطہ قریب بیس برس پہلے ناقص اور بوسیدہ شکل میں اس رسالے کے فاضل مترجم کو ملا اور انہوں نے بڑی محنت سے اس کا زیر نظر ترجمہ مع اصل رسالے کے شائع کردیا، رسالہ اعلا حضرت کے خاص رنگ میں ہے، یعنی مناظرانہ مطالعہ کا نمونہ ہے جہاں فریق مخالف کے لیے جہل مرکب،

لچر اور پوچ دلائل، وہابی تھانوی کا زعم باطل جیسے الفاظ موجود ہیں، حالاں کہ ان کے بغیر بھی یہ بحث ممکن تھی، ترجمہ سلیس اور رواں ہے اور فاضل مترجم کے علم وعقیدت کا ترجمان بھی ہے۔

مقالات فاروقی: از: پروفیسر نثار احمد فاروقی مرحوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات: ۱۸۴، قیمت: ۱۵۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر نئی دہلی-۲۵، اور دوسرے اہم مکتبے۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی مرحوم کی علمی وتحقیقی وتنقیدی شان، محتاج بیان نہیں، وہ اردو کے ایسے صاحب قلم تھے جن کی زندگی کا ہر لمحہ، وقف قرطاس وقلم رہا، عربی، فارسی، اردو اور انگریزی ان سب زبانوں میں انہوں نے جولانی طبع کے جوہر دکھائے، انہوں نے کثرت سے لکھا اور ان کے موضوعات کا تنوع بھی اسی کثرت سے رہا، ان کی تصنیفات کی تعداد خاصی اور ان کے قلم کی ثروت کی شاہد ہے لیکن ان کے مضامین بھی بے شمار ہیں، ان مضامین کے مجموعے بھی ان کی زندگی میں سات عنوانوں سے شائع ہوچکے تھے اور اب یہ آٹھواں مجموعہ پیش نظر ہے جس میں بیس مضامین شامل ہیں، قومی تہذیب اور مذہب، تقابلی مطالعہ مذاہب، طبی عمرانیات کا اسلامی نقطۂ نظر، جدید سائنس اور اس کا مقصد وجود، ابوریحان البیرونی، ملا عبدالقادر بدایونی، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر سید عابد حسین، عربی زبان کی تدریس، اسلامی مدارس کی جدید کاری، سکھ مذہب، وویادرس، گیتا، رامائن اور اسلام اکیسویں صدی میں جیسے عنوانات سے تنوع اور ہمہ گیری ظاہر ہے، حرف آغاز میں پروفیسر مرحوم نے خدا جانے کس عالم میں اپنے ان مضامین کے بارے میں یہ شعر لکھا تھا ۔

تلک آثارنا تدل علینا　　فانظروا بعدنا الی الآثار

آج وہ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کے یہ آثار ان کا پتا ہی نہیں دیتے، ان کی عظمت پر نثار بھی ہوتے ہیں۔

تعبیر وتشکیل: از: جناب شاہ رشاد عثمانی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مع گرد پوش، صفحات: ۱۶۰، قیمت: ۱۲۵ روپے، پتہ: ادارہ ادب اسلامی ہند، ۲۷۰۳، بارہ دری، بلی ماران دہلی-۶۔

اردو ادب میں صالح، پاکیزہ اور بامقصد اقدار کی بحالی اور استواری کے لیے اس کتاب

کے نوجوان مصنف کی کاوشوں کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، زیر نظر مجموعہ مضامین ان کی تالیفات میں ایک اور اضافہ ہے، جس میں ادب اسلامی کے نقیب چند شاعروں اور ادیبوں کے ذکر کے علاوہ ادب اور قرآن اور نعتیہ شاعری کے اسلوب اور اردو میں حقوق انسانی کی روایت جیسے مباحث بھی ہیں، بہار اور بھٹکل ان دونوں علاقوں سے تعلق کی وجہ سے وہاں کے ادبی و شعری ماحول پر بھی دل چسپ مضامین ہیں اور یہ سب زبان، اسلوب اور معلومات کے لحاظ سے لائق اہل قلم کی صلاحیتوں کے آئینہ دار ہیں۔

مصلح فرماں روا قابوس بن سعید، سلطان عمان: از: سیرگی پلی خانوف

ترجمہ: ڈاکٹر سید بشیر احمد، قدرے بڑی تقطیع، بہترین کاغذ اور اعلا طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات: ۳۸۴، قیمت اور پتہ: درج نہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کی ایک ریاست کی حیثیت سے آج عمان کے تعارف کی ضرورت نہیں لیکن اور ریاستوں کے برخلاف عہد قدیم میں بھی یہ علاقہ اور نام معروف رہا، اسلام سے پہلے یہ زمین مختلف قوموں، تہذیبوں اور مذہبوں کا گہوارہ تھی، اسلام کے بعد یہ بستی اسلامی تہذیب کا قلعہ بن گئی، مغربی استعماریوں نے جب اس علاقے کو تاخت و تاراج کیا تو یہ ریاست بھی گم نام سی ہوگئی لیکن اس کے دور جدید کے معمار سلطان قابوس نے تدبر اور عالی حوصلگی سے اس کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی قابل قدر کوشش کی، یہ کتاب اسی کوشش کی دلکش داستان ہے، مصنف روس کے اہل قلم ہیں، ان کے بارے میں چند سطری معلومات ہیں لیکن مترجم اور اردو ترجمے کے متعلق کسی تحریر کے نہ ہونے کا احساس ہوتا ہے، ترجمہ عمدہ اور کتاب کے شایان شان ہے، کتاب ملنے کا پتا خدا جانے کس مصلحت سے مخفی رکھا گیا، ورنہ عام قارئین کے لیے اس کتاب میں صرف ایک مدبر، منتظم حکم راں ہی نہیں عالم اسلام کی ایک ریاست کے متعلق کارآمد معلومات ہیں۔

ع-ص